علی گڑھ بچوں کا گھر
یتیم بچوں کی تعلیم وتربیت کا ایک ماڈل ادارہ
آفس: آزادنگر، دودھ پور روڈ علی گڑھ 200202
فون: 09358256899

آپکو اس بات سے خوشی ہوگی کہ علی گڑھ میں یتیم بچوں کی تعلیم وتربیت کیلئے علی گڑھ بچوں کا گھر کے نام سے یہ ادارہ مارچ 1998 سے قائم ہے۔

اس وقت 100 بچوں کے قیام وطعام اور تربیت کا پورا انتظام مفت ہے۔

ان بچوں کو معیاری اسکولوں میں تعلیم دی جاتی ہے اور انہیں اسلامی تربیت اور ذہین طالب علم بنانے کی بھرپور کوشش ہمارے پروگرام کا اہم حصہ ہے۔

اس سیشن میں KG سے کلاس 8th تک بچوں کے **داخلے** کی گنجائش ہے

فوری رابطہ کریں
سیکریٹری ادارہ ہذا

"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (قرآن)

سہ روزہ دعوت
نئی دہلی

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ کی بعض اہم کتب کمپیوٹر کتابت، جدید کتابت

خطبات علامہ احسان الٰہی ظہیر جدید	صفحات	576	قیمت	220/-
صحابہ وخلفاء راشدین کے بارے میں شیعہ کا موقف	صفحات	208	قیمت	85/-
اہل بیت کے بارے میں شیعہ کا موقف	صفحات	120	قیمت	50/-
شیعہ مذہب کی حقیقت	صفحات	120	قیمت	50/-
قرآن کے بارے میں شیعہ کا موقف	صفحات	80	قیمت	45/-
سفرنامہ حجاز وعراق	صفحات	96	قیمت	50/-
تحفۂ علامہ ظہیر	صفحات	80	قیمت	50/-

Maktaba Al-Faheem مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی
1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road Sadar Chowk Maunath Bhanjan (U.P.) 275101
Ph: 0547-2222013 (S) 2520197 (R) Mob.9889123129/9236761926
پہلی منزل ریحان مارکیٹ، صدر چوک، مئوناتھ بھنجن، مئو (یوپی) ۲۷۵۱۰۱

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۱۳ ● ۷ر فروری ۲۰۰۹ء ● 7 Feb. 2009 ● ہفتہ ● ۱۱ر صفر المظفر ۱۴۳۰ھ ● قیمت Rs.5/= ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ر ریال ● Posting: 5 Feb. 2009 Thursday

دستوری عہدوں کا بے جا استعمال مسائل پیدا کررہا ہے

چیف الیکشن کمشنر این گوپالاسوامی نے اپنے ایک ساتھی مسٹر نوین چاولہ کو ان کے عہدے سے برطرف کردینے کی صدر جمہوریہ سے درخواست کی ہے۔ انہوں نے ۱۶ر جنوری کو صدر جمہوریہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں اس کی سفارش کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے ان اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے یہ قدم اٹھایا جو انہیں دستور نے تفویض کئے ہیں۔ اس کا ذکر دستور کی دفعہ ۳۲۴(۵) میں ہے۔ اس پر ملک کے اندر ایک قانونی اور سیاسی لڑائی شروع ہوگئی ہے۔ الیکشن کمیشن کے اندر بھی ایک لڑائی جاری ہے اور اب الیکشن کمیشن سے باہر دست بدست جنگ شروع ہوگئی ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی، کانگریس، سی پی آئی (ایم) اور بعض دوسری پارٹیاں میدان میں کود چکی ہیں، آنے والے دنوں میں دوسری چھوٹی بڑی پارٹیوں کے کود پڑنے کا اندازہ ہے۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ اگلے عام انتخاب میں یہ ایک اہم اشو بن سکتا ہے۔ ایک بحث تو یہ ہے کہ چیف الیکشن کمشنر نے یہ جو قدم اٹھایا ہے اس کا کیا مقصد ہے۔ آیا یہ کمیشن کے اندر کی باہمی چپقلش کا نقطۂ عروج ہے یا چیف الیکشن کمشنر کے دماغ میں کچھ اور باتیں بھی گردش کررہی ہیں۔ کیا انہوں نے مستقبل کی منصوبہ بندی کے پیش نظر یہ قدم اٹھایا یا اس کے پیچھے کچھ دوسرے مقاصد بھی ہیں۔ اس کا جائزہ بھی لیا جانے لگا ہے کہ وہ خود کس ذہن ومزاج کے آدمی ہیں اور کس کی پسند ہیں۔ کیا ان کے اپنے سیاسی رجحانات بھی کچھ ہیں یا وہ واقعی بالکل غیر جانب دار ہیں۔ یہ سوالات اس لئے اٹھ رہے ہیں کیوں کہ وہ آئندہ ۲۰ر اپریل کو اپنے عہدے سے ریٹائر ہورہے ہیں، اور انہوں نے اپنے جن ساتھی کو کمیشن سے باہر کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، سینئرٹی کے اعتبار سے وہ دوسرے نمبر پر ہیں یعنی اگر کوئی الٹ پھیر نہیں ہوئی تو ان کا اگلا چیف الیکشن کمشنر ہونا طے ہے۔ ان پر موجودہ چیف الیکشن کمشنر نے یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ ایک مخصوص سیاسی پارٹی کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں اور اشارہ کانگریس کی طرف ہے۔ اس کی کچھ مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ یہ سوال تو ان کے بارے میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ کیا وہ ہر طرح کے سیاسی رجحان سے خالی ہیں۔ انہوں نے اب تک جو فیصلے کئے ہیں اگر ان کو اس نقطۂ نظر دیکھا جائے اور جائزہ لیا جائے تو اس سے کسی نہ کسی سیاسی رجحان کی تائید وحمایت ہوتی نظر آئے گی۔ اگر اس کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ وہ غیر جانبدار نہیں ہیں بلکہ ایک خاص سیاسی رجحان کی طرف ان کا جھکاؤ ہے تو کیا یہ انصاف پر مبنی ہوگا؟ اور کیا یہ بے لاگ تجزیہ ہوگا؟

انہوں نے صدر جمہوریہ سے اس کی گزارش کی ہے اور ان کے نام اپنے مکتوب میں اس کی سفارش کی ہے۔ اس پر بھی بحث شروع ہوگئی ہے کہ کیا انہیں صدر جمہوریہ کو اس قسم کی سفارش کرنے کا اختیار ہے۔ یعنی وہ از خود اس طرح کا کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں یا صدر کے استفسار پر انہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ اسی سے متعلق ایک سوال یہ بھی ہے کہ جس قانون کو انہوں نے اب استعمال کیا ہے کیا وہ اس معاملہ میں ایماندار ہیں، اس لئے کہ پانچ سال قبل خود انہوں نے اس قانون کی مخالفت کی تھی اور باقاعدہ تحریری طور پر اس میں ترمیم کی درخواست کی تھی۔ پانچ سال قبل انہوں نے ایک تحریر دی تھی جس میں یہ کہا گیا تھا کہ دستور کی دفعہ ۳۲۴(۵) ناکافی ہے اس میں ترمیم ہونی چاہئے۔ انہوں نے یہ تجویز دی تھی کہ برطرفی کے معاملہ میں جو قانونی تحفظ چیف الیکشن کمشنر کو حاصل ہے ٹھیک وہی تحفظ دوسرے الیکشن کمشنروں کو بھی حاصل ہونا چاہئے۔ واضح رہے کہ چیف الیکشن کمشنر کی برطرفی کا عمل بڑا پیچیدہ ہے اس کو کسی سادہ کارروائی کے ذریعہ ہٹایا نہیں جاسکتا بلکہ اس کے خلاف مواخذے کی تحریک پیش کرنی پڑے گی اس پر باقاعدہ بحث ہوگی اور اس کی منظوری کے بعد ہی اس کو ہٹایا جاسکتا ہے لیکن اب وہ اپنے ہی ایک ساتھی کو سادہ طریقے سے یعنی محض اپنی سفارش کی بنا پر ہٹادینا چاہتے ہیں۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کیا کسی مسئلہ پر محض اختلاف اس طرح کی کارروائی کی بنیاد بن سکتا ہے؟ جب کسی دستوری ادارے میں ایک سے زیادہ ذمہ دار ہوں گے تو کسی مسئلہ پر باہم اختلاف ہو ہی سکتا ہے یہ ایک بدیہی امر ہے اور یہی وجہ ہے کہ الیکشن کمیشن کے سلسلہ میں اس کا خیال رکھا گیا ہے اور یہ قانون موجود ہے کہ فیصلہ سازی کا طریقۂ کار کیا ہوگا۔ یہ مسئلہ اختلافی رہا ہے۔ غالباً اس کو حل کرنے کے لئے الیکشن کمیشن کو یک نفری یا دو نفری نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اس کا پینل تین افراد پر مشتمل ہوتا ہے تاکہ کسی مسئلہ پر اختلاف کی صورت میں کثرت رائے سے فیصلہ کیا جاسکے۔ کسی بھی مسئلہ پر رایوں کا اختلاف لامحالہ اور ہر حال میں کسی کی طرف جھکاؤ اور کسی سے گریز کا نتیجہ نہیں ہوسکتا نہ ہوتا ہے بلکہ اس کی جائز اور واقعی وجوہ ہوسکتی ہیں۔ مسٹر چیف الیکشن کمشنر نے جو مثالیں پیش کی ہیں وہ خود اس کو گواہ ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے کرناٹک کا واقعہ بطور مثال پیش کیا ہے۔ کرناٹک میں اسمبلی انتخاب کے انعقاد کے سوال پر ان کی رائے مسٹر نوین چاولہ کی رائے سے مختلف تھی۔ لہٰذا تیسرے الیکشن کمشنر ایس وائی قریشی نے جب ان کی رائے سے اتفاق کیا تو ان کی رائے فیصلہ میں تبدیل ہوگئی حالانکہ مسٹر چاولہ نے ان سے اختلاف کیا تھا لیکن جموں وکشمیر میں وہ وہاں جاری شورش کی بنیاد پر الیکشن کو موخر کرنا چاہتے تھے جب کہ مسٹر چاولہ الیکشن کرانے کے حق میں تھے اور اس بار مسٹر قریشی نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور فیصلہ ہوا۔ اگر چاولہ کا اختلاف غلط تھا تو مسٹر قریشی نے بھی ان سے اختلاف کیا تھا۔

الیکشن کمیشن ایک ایسا ادارہ ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے اس لئے کہ اس کے پاس اقتدار کا زینہ طے کرنے کی کنجی ہے۔ لہٰذا ہر حکومت وقت یہ چاہتی ہے اور اس پر عمل بھی کرتی ہے کہ یہاں اس کے آدمی رہیں، اگر وہ کھل کر حمایت نہ کرسکیں تو کم از کم اس کی طرف جھکاؤ تو ضرور رکھیں، آزادی کے بعد سے یہ ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس بیہودہ روایت کو توڑنے اور الیکشن کمیشن کو خود مختار ادارہ بنانے کی پہلی کوشش ٹی این سیشن نے کی تھی۔ حالانکہ وہ بھی اپنا ایک سیاسی رجحان رکھتے تھے، بعد میں جب وہ باقاعدہ سیاست میں آئے تو اس سے اس کی تصدیق بھی ہوگئی اور کوئی بھی شخص اس سے آزاد نہیں ہوسکتا ہاں قانون اور ضابطوں کی پروا کئے بغیر کھلم کھلا کسی کی حمایت کرنا اور آزادانہ ومنصفانہ انتخاب کو بالائے طاق رکھ دینا ایک بالکل دوسری بات ہے۔ جمہوری حکومتوں یا نظام میں چونکہ یہ اختیار حکومت وقت کے پاس ہے کہ وہ دراصل اہم دستوری مناصب پر لوگوں کا تقرر کرتی ہے۔ مثال کے طور پر افواج کے سربراہوں کا تعین وتقرر، سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں کے چیف جسٹس صاحبان کا تعین وتقرر، چیف الیکشن کمشنر اور دوسرے الیکشن کمشنروں کی نامزدگی وغیرہ، بیوروکریسی کے افراد ہی الیکشن کمیشن کے اعلیٰ عہدوں تک پہنچتے ہیں۔ اس لئے سی پی آئی (ایم) کی پولٹ بیورو نے کانگریس اور بی جے پی دونوں پر یہ الزام لگایا ہے کہ انہیں جب بھی موقع ملا ہے اپنی پسند کے افراد کو اس اہم منصب پر بٹھایا ہے۔ اور ایسا کرکے دراصل انہوں نے اس دستوری ادارے کے وقار کو مجروح کیا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جب بھی یہ اختیار کسی کو دیا جائے گا وہ وہی کرے گا۔ وہ کبھی یہ نہیں چاہے گا کہ اس کے لئے جو لوگ خطرناک ہوں وہ اس طرح کے مناصب پر فائز ہوجائیں۔ اب یہ بحث بھی شروع ہوگئی ہے کہ چیف الیکشن کمشنر کی سفارش کی قانونی حیثیت کیا ہے۔ کیا حکومت اس کی پابند ہے۔ کیا انہیں اس طرح کی سفارش کرنے کا حق حاصل ہے۔ حکومت یہ کہتی ہے کہ وہ اس کی پابند نہیں ہے اور چیف الیکشن کمشنر کا رول دراصل صدر جمہوریہ کی طرف سے کسی استفسار کے بعد شروع ہوتا ہے، جب کہ بعض لوگوں اور خاص طور پر بی جے پی کا یہ کہنا ہے کہ حکومت اس کی پابند ہے اور وہ یہ کہتی ہے کہ ایسے "بدعنوان" عناصر کا اتنے ذمہ دارانہ مناصب پر رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ لہٰذا فوراً کارروائی ہونی چاہئے۔ دوسری طرف دستور کے ماہرین نے چیف الیکشن کمشنر کے اقدام پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا ہے کہ چیف الیکشن کمشنر کو حکومت کو بہت پہلے اس سے آگاہ کرنا چاہئے تھا۔ انہوں نے ایسے وقت پر یہ قدم اٹھایا کہ اس نے ان کے اقدام کو مشکوک بنادیا ہے۔ (ش ر)

قبلہ اوّل کو خطرہ

یروشلم کے قبلہ اوّل بیت المقدس کے نیچے اسرائیلی حکومت کے ذریعہ کھودی جانے والی سرنگوں کی وجہ سے مسجد کی بنیادوں کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ اسرائیل کی اس غیر قانونی کھدائی کی وجہ سے یروشلم کی مسلم آبادی میں اس وقت سنسنی پھیل گئی جب مسجد اقصیٰ کے قریب واقع اقوام متحدہ کے اسکول کی بلڈنگ اچانک منہدم ہوگئی جس کے نتیجہ میں ۱۷ طلباء زخمی ہوگئے۔ یہ اسکول مسجد اقصیٰ کی فصیلوں سے صرف ۲۰۰ میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اصل میں اسرائیلی مسجد کے نیچے سرنگیں کھودنے کا کام اس لئے کررہے ہیں تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ کبھی مسجد اقصیٰ کے نیچے یہودیوں کا ہیکل تھا کہ نہیں لیکن مقصد یہ ہے کہ کسی طرح مسجد کی بنیادیں کمزور ہوجائیں اور وہ خود بخود گرجائے پھر صہیونی اپنے منصوبہ کے تحت وہاں ایک ہیکل جبل تعمیر کرسکیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ کی طرف سے مسجد اقصیٰ کو بین الاقوامی وراثت قرار دیئے جانے کے باوجود اب تک اس کی حفاظت کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ اس معاملہ میں مسلم ممالک بھی مجرمانہ خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں اور یروشلم کے مسلمان دوسال سے احتجاج کررہے ہیں۔

گجرات کی وزیر مفرور

احمد آباد۔ گجرات کے فسادات کی تحقیقات کرنے والی سپریم کورٹ کی طرف سے نامزد خصوصی تحقیقاتی ٹیم ایس آئی ٹی نے ریاست کی وزیر تعلیم مایابین کوڈنانی کو نرودہ پاٹیا اجتماعی قتل معاملہ میں ۲ر فروری کو مفرور قرار دے دیا۔ خصوصی تحقیقاتی ٹیم کے ایک سینئر افسر کے مطابق مایابین کو ۲۹ر اور ۳۱ر جنوری کو سمن جاری کیا گیا تھا مگر وہ ہمارے سامنے حاضر نہیں ہوئیں تو ان کے دفتر اور مکان کی تلاشی لی گئی۔ موبائیل فون بھی بند پایا گیا۔ اب ان کی گرفتاری ہوسکتی ہے۔

حماس کو محمود عباس کا جواب

قاہرہ۔ فلسطین کے صدر محمود عباس نے یہاں کہا کہ جب تک حماس پی ایل او کی بالادستی تسلیم نہیں کرے گی اس وقت تک اس کے ساتھ کوئی بات چیت نہیں ہوگی۔ انہوں نے یہاں حماس کا نام لئے بغیر کہا کہ اب ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں سے بات چیت نہیں کی جائے گی جو تنظیم آزادی فلسطین (پی ایل او) کی بنیاد کو مسترد کرتے ہیں۔ انہیں واضح طور پر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ تنظیم آزادی فلسطین ہی فلسطینیوں کی واحد تنظیم ہے۔

افغان حکومت وطالبان میں مذاکرات

کابل۔ افغان حکومت کے مخالفین کا سعودی عرب میں خفیہ مذاکرات کا دوسرا دور شروع ہوا اور مذاکرات کا عمل اب یورپ تک پہنچ گیا۔ سعودی انٹلی جنس چیف پرنس مقرن بن عبدالعزیز اور پاکستان میں افغانستان کے سابق سفیر علامہ عبدالسلام ضعیف اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ پرنس مقرن نے جنوری کے دوسرے ہفتہ میں اس کے لئے اسلام آباد اور کابل کا دورہ کیا تھا۔ جہاں کئی بااثر رہنماؤں سے تبادلہ خیال کیا تھا۔ مذاکرات میں طالبان اور کرزئی حکومت کے نمائندے شریک ہوئے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ خفیہ مذاکرات کا پہلا دور گزشتہ سال ستمبر میں مکہ میں ہوا تھا۔ اس بار بھی سعودی عرب میں بات چیت ہورہی ہے۔

ارزگان کے واک آوٹ کی وجہ

نئی دہلی۔ ترکی کے وزیر اعظم طیب ارزگان کے ڈاوس اجلاس سے واک آوٹ کے لئے اسرائیلی صدر کی اشتعال انگیزی اور منتظمین کی جانبداری ذمہ دار ہے۔ ایک تو منتظمین کی طرف سے مسٹر ارزگان کو تقریر کے لئے مقررہ صرف ۱۳ منٹ کا وقت دیا گیا اور دوران تقریر ٹوکا گیا جب کہ اسرائیلی صدر کو اشتعال انگیز تقریر کے لئے ۲۵ منٹ کا وقت دیا گیا۔ یہ جانکاری ترکی کی خبررساں ایجنسی سیہان کے ہندوستان بیورو کے چیف عثمان افلان نے یہاں دی۔

خبر ونظر

مالیگاؤں ۴۷ دن بعد

ممبئی میں "دہشت گردی" کے واقعات کو، جنھوں نے کہ مالیگاؤں کے حقائق کو دبادیا تھا، حالانکہ کافی دن گزر گئے، مگر انڈین ایکسپریس کو پتہ نہیں کیا سوجھی کہ ہندو دہشت گردی پر فرانس کے ایک سیاسی مبصر کا محققانہ تبصرہ ۲۹ر جنوری کی اشاعت میں شائع کردیا یعنی ۲۶ر نومبر کے ۴۷ دن بعد۔ جب کہ ہندوتو دہشت گردی کے پُرشور تذکرے ۲۶ر نومبر کی شام ممبئی میں "دہشت گردوں" کی گولی کی پہلی آواز کے ساتھ ہی بند ہوگئے تھے اور اس طرح بند ہوئے تھے کہ گویا یہ قصہ شروع ہی نہیں ہوا تھا۔ ایسا ہونا بھی چاہئے تھا۔ جب ہندوتو دہشت گردی کا قصہ چھیڑنے والے ہیمنت کرکرے کی زبان ہی ہمیشہ کے لئے بند کردی گئی تو قصہ تمام ہونا ہی چاہئے تھا۔ ممبئی پر "حملہ" کرنے والوں کا یہ مقصد رہا ہو یا نہ رہا ہو (قرائن تو یہ بتاتے ہیں کہ ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مالیگاؤں سے چلی کہانی یہیں بند ہوجائے۔ لیکن سرکار، اس کی ایجنسیاں اور میڈیا کے لوگ جب اصرار کے ساتھ بتارہے ہیں کہ حملہ آوروں کا اپنا مقصد یہ نہیں تھا تو فرض کرلیتے ہیں کہ نہیں تھا) لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ممبئی پر "حملے" کی ابتدائی خبروں کے ساتھ ہی ہندوتو دہشت گردی کا باب میڈیا نے بند کردیا تھا۔ لیکن چونکہ مالیگاؤں کا باب بند کرنے کا باضابطہ اعلان نہیں کیا گیا، اس لئے کبھی کبھی کہیں کہیں سے کوئی خبر آجاتی ہے۔

دہشت گردی کا یہ سلسلہ پرانا ہے

اب پیرس کے ایک تحقیقی ادارے میں جنوبی ایشیا کے امور کے ماہر Christophe Jaffrelot نے بھگوا دہشت گردی کی تاریخ پر نظر ڈالی ہے۔ بتایا ہے کہ مالیگاؤں کے واقعہ کے بعد ہندوتو دہشت گردی سے متعلق جو انکشافات ہوئے ہیں۔ وہ نئے نہیں ہیں بلکہ دہشت گردی اور تشدد کی یہ تاریخ کم سے کم ایک سو سال پرانی ہے۔ باقاعدہ ملٹری اسکول قائم کرکے نوجوانوں کو بم بنانے، دھماکے کرنے اور اسلحہ چلانے کی تربیت کا نظام بہت پرانا ہے نیز یہ کہ یہ کام غیر ملکی تسلط کے خلاف نہیں بلکہ اپنے مذہبی اور ثقافتی حریفوں کو برباد کرنے کی غرض سے تھا اور آج بھی ہے۔ مبصر کے مطابق اس کام میں مہاراشٹر کے برہمن ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں —— اسی نوعیت کا ایک جائزہ ۵ر نومبر کو روزنامہ ہندو نے بھی شائع کیا تھا۔ دی ہندو کے تجزیہ نگار پروین سوامی کا قلم ویسے تو "اسلامی دہشت گردی" کے سنسنی خیز افسانے بیان کرنے کے لئے وقف ہے، لیکن نومبر میں ہندوتو دہشت گردی کے پرشور تذکروں کی گونج میں سوامی نے بھی اپنی ٹھوس اور دستاویزی معلومات کا مظاہرہ کرنا مفید سمجھا۔ "ہندوتو اور اس کا بم" میں پروین سوامی نے ہندوتو تشدد کی تاریخ بتانے کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ اس عمل کو مذہبی تائید بھی حاصل ہے۔ یہ تشدد ایک قسم کا یگیہ ہے جو دھرم کے "دشمنوں" کو تباہ کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

اس موضوع پر لکھنا کیوں آسان ہے

۵ر نومبر کے دی ہندو کے مضمون کی اشاعت کا موقع تو تھا مگر ۲۹ر جنوری کے انڈین ایکسپریس کا کیا موقع تھا جب کہ اکتوبر ونومبر کے چھ ہفتوں کے واقعات کو ۲۶ر نومبر نے حرف غلط کی طرح مٹادیا ہے۔ سبب اس کا یہ سمجھ میں آتا ہے کہ بھگوا تشدد پر لکھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے، حقائق وشواہد ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ تاریخ کی کتابوں اور جرائد کی فائلوں کے علاوہ خود آج کے طور طریقے اور سرگرمیاں دنیا کے سامنے ہیں۔ "اسلامی دہشت گردی" پر لکھنے کے لئے تو بہت محنت کرنی پڑتی ہے، کہانیاں بنانے کے لئے جیمس بانڈ، اگاتھا کرسٹی اور ابن صفی کی طرح راتوں میں دماغ لڑانا پڑتا ہے۔ پولیس اور خفیہ ایجنسیوں کے کارکنوں سے مدد لینی پڑتی ہے، رائی کا پربت بنانا پڑتا ہے، ریت کی دیوار تعمیر کرنی پڑتی ہے۔ لیکن بھگوا تشدد کے حقائق محض ارادہ کرنے سے ذہن میں اُبھر آتے ہیں۔ ۵ر نومبر کے ہندو میں پروین سوامی نے "ہندوتو بم" پر اس لئے لکھا کہ لکھنا بہت ہی آسان تھا، کوئی محنت نہیں کرنی پڑی ہوگی۔ تشدد کے واقعات کے بعد "اسلامی دہشت گردی" ثابت کرنے کے لئے جو سازشیں، طریقے، حربے بیان کئے جاتے ہیں، دراصل وہ سب مسلم مخالف گروپوں کے یہاں موجود اور رائج ہیں اور میڈیا کے لوگ ان سے باخبر بھی ہیں۔ دیانتدار مغربی مبصرین بھی یہ سب دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ کرسٹوفی جافرے لاٹ شاید ایسے ہی ایک مبصر ہیں۔ (پ ر)

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

بنک آف انگلینڈ نے اپنی خواتین وملازمین کو مشورہ نما دھمکیاں دی ہیں کہ کام کاج کی جگہ پر فیشن ایبل نہیں پروفیشنل کی حیثیت میں نظر آؤ خوشبو عطریات وغیرہ کے سلسلہ میں احتیاط سے کام لو۔ ہیل زیادہ سے زیادہ دو انچ اونچی رکھو ورنہ اس سے بھی کم۔ کم سے کم میک اپ استعمال کرو حتی کہ لپ اسٹک بھی۔ مختلف قسم کی چیزوں کا استعمال خواتین ورکروں کو ایسا بنادیتا ہے کہ وہ فاحشہ طوائف جیسی نظر آتی ہیں۔ ہر چیز کی میچنگ کہ جوتے اور اسکرٹ کا رنگ ایک ہو حتی کہ ایڑیوں اور ٹخنوں پر باندھے جانے والے تسمے اور چین بھی۔ اس انداز فکر سے بچو، پروفیشنل بنو لیکن کام کی جگہ کسی سے چپکنے کی کوشش مت کرو۔ سفید اونچی ہیل غیر ضروری اشیاء سے لبریز ہینڈ بیگ ضرورت سے زیادہ انگوٹھیاں اور کئی کئی جگہ سے کان چھیدوا کر ایک ایک سوراخ میں کئی کئی بالیاں وغیرہ پہننا، ان چیزوں سے بچو۔

انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ کے اس اعلان کے ایک ہفتہ بعد کہ برطانوی اقتصادیات تمام بین الاقوامی ترقی یافتہ اقوام کی اقتصادیات سے زیادہ سخت اور مضبوط ثابت ہوں گی جب پورے ملک میں ہڑتالوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور عالمی لیڈر ڈاوس میں عالمی رعایتوں کے سلسلہ میں گفتگو کے لئے جمع ہوئے۔ بنک آف انگلینڈ کے سینئر سربراہوں نے اپنی توجہ لپ اسٹک اور اونچی ہیل جیسے مسائل پر مبذول کی چنانچہ بنک آف انگلینڈ نے اپنے ملازمین کو ڈریس فار سکسیس کانفرنس dress for success summit میں جمع کیا۔ جس میں خواتین ملازمین کو ایک لیکچر کے ذریعہ کام کاج کی جگہ مناسب زیورات اور میک اپ کے استعمال کی اہمیت بتائی گئی اور خاص طور سے خواتین اسٹاف کو لباس، جوتوں اور میک اپ کے سلسلے میں مناسب مشورے دیئے گئے۔ دی انڈیپنڈنٹ کے مطابق اس اقدام کی وجہ سے آزادی نسواں، عریانیت، فحاشی، جنسی آزادی اور آوارگی کے علمبرداروں نے ناگواری کا اظہار کیا ہے۔

مذکورہ لیکچر پر مشتمل میمورنڈم بنک کی طرف سے پروفیشنل امیج کنسلٹنسی فرم نے تقسیم کیا۔ جس پر "مساوی مواقع" کی وکالت کرنے والے نے تنقید کی ہے اور اس اقدام کو "جنسی امتیاز" قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ خواتین کو مشتعل کرنے کی غرض سے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ خواتین ملازمین بنک کے خلاف قانونی کارروائی کا حق رکھتی ہیں کہ یہ ادارہ کی سطح سے جنسی ماحول پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ سالیسٹرس اکول جسٹس کے لارینس ڈیویس نے کہا ہے "اگر عورتوں کے بارے میں اس بنیاد پر فیصلہ کیا جاتا ہے کہ وہ کیا پہنتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ مرد ملازمین سے مختلف انداز میں برتاؤ کیا جارہا ہے۔ اس حقیقت کا کہ وہ آزادانہ مشوروں کی اہلیت رکھتی ہیں مفہوم یہ نہیں ہے کہ بنک کوئی ایک کام کرے جس سے جنسی رویہ یا سلوک کا تاثر پیدا ہو۔" لندن کے ممتاز ماہرین معاشیات، ممبران پارلیمنٹ اور حقوق نسواں کے علمبردار گروپوں نے کہا ہے کہ بنک آف انگلینڈ یہ جو کچھ کررہا ہے قابل نفرت ہے۔ اس طبقہ کے لوگوں نے بڑی ناگواری کے ساتھ کہا ہے کہ یہ لوگ ہماری دولت اس قسم کی چیزوں پر خرچ کررہے ہیں اس طبقہ سے

باقی صفحہ ۸ پر

بلاتبصرہ

جب سلم بستیاں سویلائزیشن کے چہرے پر بدنما داغ ہیں تو ان کی باز آبادکاری کے لئے حکومت، رضا کارانہ تنظیمیں نیز بین الاقوامی ایجنسیاں کیا کررہی ہیں؟ اگر دھاراوی پر بنائی گئی فلم کے ذریعے لوگوں کو لگتا ہے کہ اس سے بھارت کی شبیہ عالمی سطح پر خراب ہوگی یا ہورہی ہے تو اس کا تدارک کس طرح ہوسکتا ہے؟ سرکار ان علاقوں کی ترقی اور یہاں رہنے والے لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لئے کیا کررہی ہے؟

ونیت اتپل کے مضمون "سلم کے بہانے راہ تاکتی زندگی" سے ماخوذ
راشٹریہ سہارا، ۲ر فروری ۲۰۰۹ء

موقع پرستانہ سیاست مستقبل کیلئے نقصاندہ ہوگی

عام انتخابات کے قریب آتے ہی سیاسی ہلچل اور صف بندی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کچھ نئے دوست ملتے تو بعض پرانے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ عام طور پر سیاسی مفاہمت اور صف بندی میں خیالات کے اشتراک کو حالات وضرورت سے زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد پر مختلف پارٹیاں ایک دوسرے کے قریب آتی ہیں یا پھر ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتی ہیں۔ اس نوعیت کا اتحاد یا علاحدگی کا ملک کی سیاست پر کوئی خاص اور دیرپا اثر نہیں پڑتا۔ البتہ اس درمیان بعض ایسے واقعات بھی پیش آتے ہیں جن کا نہ صرف ملک کی سیاست بلکہ متعلقہ پارٹی کی شبیہ کو بنانے اور بگاڑنے میں اہم کردار ہوتا ہے۔ جارج فرنانڈیز اور ان کی پارٹی کی بی جے پی سے قربت خود ان کی سیاسی زندگی کے خاتمہ کا سبب بنی۔ اسی طرح کی اور بھی متعدد مثالیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ہی علیحدہ نظریات کی حامل پارٹیاں ہیں اور ان کے ووٹروں کی ان سے وابستگی بھی انہی نظریات کی وجہ سے ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حالیہ دنوں میں اُترپردیش کی سیاست میں بھی دیکھنے کو مل رہا ہے جہاں منڈل ومندر، سیکولرزم وفرقہ پرستی آپس میں گلے ملتے ہوئے نظر آرہی ہے۔ ملائم سنگھ یادو اور کلیان سنگھ کے نظریات اور ان کی علاحدہ راہوں سے کون واقف نہیں ہے۔ ملائم سنگھ یادو منڈل تحریک کے لیڈر ہیں تو کلیان سنگھ رام مندر تحریک کے۔ بابری مسجد کی حفاظت اور اسے نقصان پہنچانے والوں پر فائرنگ ملائم سنگھ کا اہم کارنامہ خیال کیا جاتا ہے تو بابری مسجد کی شہادت اور عدلیہ کو گمراہ کرنے کے معاملے میں کلیان سنگھ راست طور پر ذمہ دار ہیں۔ ملائم سنگھ یادو اگر خود کو سیکولر اقدار کا حامی قرار دیتے ہیں تو کلیان سنگھ کو اپنی فرقہ پرستانہ شبیہ سے کوئی احتراز نہیں ہے۔ دو جداگانہ شبیہ کے حامل لیڈران کا ہم رکاب ہونا اور اس پر کسی بھی تنقید کو خاطر میں نہ لانا کس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے اور کس مجبوری کو ظاہر کرتا ہے اس پر غور وفکر کے ساتھ اس پہلو پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے کہ اس سے کس کو کتنا فائدہ ہوگا۔

جہاں تک یوپی کی سیاست کا تعلق ہے تو سماج وادی پارٹی ماضی کے اسمبلی انتخابات کے صدمہ سے ابھی تک نہیں اُبھر پائی ہے۔ اسی طرح ریاست میں مایاوتی کی کامیابی کا چرچا ابھی بھی لوگوں کی زبان پر ہے اور اسے حکومت کے خلاف حزب اختلاف غصہ میں بدلنے میں ناکام رہی ہے۔ اسی طرح کانگریس سے رفاقت بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہوسکی۔ پارٹی کے پاس ایسا کوئی ایجنڈا نہیں ہے جس کے سہارے وہ تن تنہا عام انتخابات میں ووٹروں کے درمیان جانے کی ہمت کرسکے۔ ایسے میں ملائم سنگھ کو ایک سہارے کی ضرورت تھی جو کلیان سنگھ کی صورت میں انہیں نظر آیا۔ انہیں یقین ہے کہ ان کے سہارے وہ پسماندہ ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے اور بی جے پی سے ناراض کچھ فرقہ پرست ووٹ بھی انہیں مل جائیں گے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو کوئی بہتر متبادل اور اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ کلیان سنگھ کی مجبوری یہ تھی کہ بی جے

باقی صفحہ ۸ پر

حیات رسولؐ کے اہم نکات

محمد نصیر الدین، حیدرآباد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست نصیب ہوئی، ظلم وفساد کا خاتمہ ہوا، افتراق وانتشار ختم ہوا۔ معاشرے اور سماج کو سکھ چین اور امن وامان کی دولت ملی اور کمزوروں، مسکینوں، پریشان لوگوں کو راحت کا سامان میسر آیا۔ انسانیت سیکڑوں بتوں کی غلامی سے آزاد ہوئی۔ اللہ واحد کا تصور ملا۔ زندہ درگور کی جانے والی معصوم لڑکیوں کو زندگی ملی۔ معمولی معمولی باتوں پر برسوں جان کے دشمن بن جانے والوں کو اخوت ومحبت میں پرودیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہاں کے لئے رحمت بن کر آئے۔ ہادیٔ برحق، محسن انسانیت، رہبر ورہنما بن کر آئے۔ دنیا جہاں میں آپ سے عقیدت رکھنے والے موجود ہیں۔ آپ کی محبت میں جان سپرد کرنے والے ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ عشق ومحبت کے نام پر طرح طرح کی سرگرمیاں ہر جگہ ہوتی ہیں لیکن کیا آپؐ سے تعلق، محبت، عقیدت اور عشق کا اتنا ہی تقاضا کافی ہے؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کا خوف رکھتا ہے۔''

رسول اللہؐ کی حیات مبارکہ کیسی تھی؟ آپ کے اخلاق کیسے تھے، معاملات وتعلقات کیسے تھے۔ تجارت کیسی تھی، شب وروز کیسے بسر ہوتے تھے، گھر والوں کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔ پڑوسیوں کے ساتھ کیا رویہ تھا اور آج مسلمانوں کی زندگی کا کیا معاملہ ہے؟ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان نبی آخر الزماں کی سیرت کو واقعی نمونہ بنائے ہوئے ہیں۔ کیا مسلمان سیرت رسولؐ کی مکمل اتباع اور پیروی کررہے ہیں، کیا مسلمان اپنی روز مرہ زندگی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق گزار رہے ہیں؟ اللہ اور اس کے رسولؐ سے عشق ومحبت کا دم سب بھرتے ہیں، مسجد کے منبر اور مدارس کے میناروں سے بیانات ہوتے ہیں۔ سیرت النبیؐ کے بیان کے لئے بڑے بڑے اسٹیج سجائے جاتے ہیں۔ مقررین میں مسابقت ہوتی ہے۔ شعلہ بیانی کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن عمل کی دنیا کچھ دوسری ہی گواہی پیش کرتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''اے نبیؐ! لوگوں سے کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ بھی تم سے محبت رکھے گا'' مسلمانوں کے عوام وخواص یقیناً عشق ومحبت کا دعویٰ اور اظہار تو بڑے زور وشور سے کرتے ہیں لیکن عبادات کی پابندی نہیں، زبان وبیان میں سچائی نہیں، معاملات اور تعلقات میں صفائی نہیں، حلال وحرام کی تمیز نہیں، مال حرام سے دست برداری نہیں، زندگی میں خوشی وغم ودیگر تمام امور میں ہدایت رسولؐ کی کوئی پاسداری نہیں، کیا یہی عشق ومحبت کے مظاہر ہیں؟ کیا یہی اتباع اور اطاعت کا واقعی اظہار ہے؟ بھلا ایسی محبت اور عشق کس کام کا جس میں اتباع اور پیروی نہ ہو۔ سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''جو لوگ نبی کریمؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں وہ فتنے میں نہ پڑ جائیں۔''

خالق کائنات کی اس وارننگ کے باوجود مسلمانوں کی زندگی میں محسن انسانیتؐ کی پیروی بہت کم نظر آتی ہے۔ بچہ کی پیدائش اس کی تعلیم وتربیت، شادی بیاہ، کسب وخرچ اور دیگر تمام موقعوں پر اپنی مرضی، خواہش، پسند، تمنا، آرزو نیز نام ونمود، دکھاوا، شہرت، تصنع وبناوٹ نظر آتی ہے۔ کبھی حالات کا بہانہ بنایا جاتا ہے تو کبھی ترقی کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے اور کبھی زمانے کا چلن کہہ کر نافرمانی اور عدم اطاعت کو واجب ٹھہرانے کی کوشش کی جاتی ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں واضح طور پر فرمایا گیا۔ ''جو کچھ رسولؐ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رُک جاؤ۔'' لیکن افسوس کہ مسلمانوں کو جن چیزوں سے روکا گیا ان کو دھڑلے سے اختیار کررہے ہیں شراب'' جوا، سٹہ، شرک، رشوت، سود، عریانیت بے پردگی اختلاط، مرد وزن والدین کی نافرمانی، بے شرمی وبے حیائی کے دیگر امور میں لت پت ہیں۔ اور جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے حسن اخلاق، حسن کردار، سچائی، شرافت، نیکی وپرہیزگاری تعاون وامداد، تحمل، بردباری معافی ودرگزر، اخوت ومحبت وغیرہ کو ترک کردیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج ساری دنیا میں باطل طاقتیں مختلف انداز میں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ مسلمانوں کا خون ارزاں ہوچکا ہے۔ ایک ارب کی تعداد ہونے کے باوجود ان کی حیثیت سمندر کے جھاگ کے مانند ہوچکی ہے۔ مسلمانوں اور ان کے قائدین، علماء، دانشور اہل علم حکمراں سب دشمنوں کو ان حالات پر کھری کھوٹی سناتے ہیں اور حالات کا انہیں ذمہ دار کہہ کر اپنا پلڑا جھاڑ لیتے ہیں لیکن کسی کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ اپنے دامن میں بھی جھانکیں خود اپنا محاسبہ کریں اپنی بے عملی کا جائزہ لیں اپنی کمزوریوں کو بھی دیکھیں اور خامیوں وکوتاہیوں کو تلاش کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کی تھی کہ مسلمان دنیا کی محبت اور موت کے ڈر میں مبتلا ہوجائیں گے تو ساری دنیا ان پر ٹوٹ پڑے گی۔ کتنی بدنصیبی ہے یہ امت کہ اپنے رسولؐ کی پیشین گوئی کو دیکھتے ہوئے بھی ظلم وجبر کی چکی میں پس رہی ہے اور یہ خیال نہیں کرتی کہ اس کیفیت کی اصل وجہ کیا ہے۔

اہم چیز جو سیرت مبارکہ سے ملتی ہے وہ فکر آخرت ہے۔ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مقرب رسولؐ ہونے کے باوجود ہمیشہ آخرت کی فکر اور یوم قیامت کی جوابدہی آپ کو دامن گیر رہتی تھی۔ ہر لمحہ فکر آخرت میں بسر ہوتا تھا صحابہؓ آپ سے فرماتے کہ آپ آخرت کی اتنی فکر کیوں کرتے ہیں۔ بے تکان عبادت وریاضت کا کیوں اہتمام کرتے ہیں لیکن آپ کا ایک ہی جواب ہوتا کیا میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں! صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک موقع پر فرمایا ''میں عیش وآرام اور بے فکری کی زندگی کیسے بسر کرسکتا ہوں۔ جب کہ حال یہ ہے کہ اسرافیل صور منہ میں لئے کان لگائے، پیشانی جھکائے انتظار کررہے ہیں کہ صور پھونکنے کا کب حکم ہوتا ہے؟'' (ترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر آخرت کا اندازہ ایک اور واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت ابن عمر ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کرتے ہیں کہ اے اُم المؤمنین سب سے عجیب بات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھی ہو بیان فرمایئے؟ اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کچھ دیر خاموش رہیں پر فرمایا: ''ایک رات اللہ کے رسولؐ میرے پاس آئے اور فرمایا'' اے عائشہؓ آج کی رات مجھ کو میرے رب کے لئے چھوڑ دو۔'' حضرت عائشہ جواب میں عرض کیا ''اللہ کی قسم مجھ کو آپ کا قرب بھی محبوب ہے اور جو آپ کی مرضی ہے وہ بھی محبوب ہے۔'' اللہ کے رسولؐ اٹھے اور وضو فرمایا اس کے بعد نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے روتے رہے کہ آپ کی ریش مبارک تر ہوگئی۔ بیٹھے اور روتے رہے کہ گود بھیگ گئی اور سجدہ میں روتے رہے کہ زمین بھیگ گئی اور اسی حال میں صبح ہوگئی۔ حتیٰ کہ نماز کی اطلاع دینے کے لئے بلالؓ تشریف لائے اور جب آپ کو دیکھا کہ رو رہے ہیں تو عرض کیا ''آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہیں پھر آپ کیوں روتے ہو؟'' آپ نے فرمایا'' کیا میں اس کا شکرگزار بندہ نہ بنوں۔'' (بخاری)

ایک اور چیز جو سیرت پاک میں ملتی ہے وہ دعوتی فکر ہے۔ غار حرا سے نبوت کا آغاز ہوتا ہے پھر حکم ہوتا ہے ''قم فانذر'' اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ۔ تعمیل حکم میں نکل پڑتے ہیں۔ اپنی اہلیہ افراد خاندان، دوست احباب پھر ہم وطن افراد، دیگر قبائل وآبادیوں کا رُخ کرتے ہیں، حج کے قافلوں سے ملتے ہیں، بادشاہوں کو خطوط لکھتے ہیں سفیر روانہ کرتے ہیں۔ مقصد صرف یہی تھا کہ لوگ اس واحد کی عبادت کریں شرک وضلالت سے باز آجائیں اور نار جہنم سے بچ جائیں۔ یہی مقصد تھا، یہی لگن تھا اور یہی تڑپ تھی۔ مخالفتیں ہوئیں ظلم وستم ڈھائے گئے۔ ستایا گیا، ڈرایا دھمکایا گیا، لالچ دیا گیا، الزامات کی بوچھار ہوئی لیکن دعوتی مشن میں سرگرم رہے ایک لمحہ بھی غفلت نہیں کی۔

آرام چین نیند سب کو خیرباد کہہ دیا اس موقع پر خود خالق کائنات نے کہا'' یہ لوگ اگر ایمان نہ لائیں گے تو کیا آپ ان کے غم میں اپنی جان کو ہلاک کردیں گے۔'' دعوت الی اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کل فکر تھی واحد خواہش اور تمنا بھی، نہ کمانے یا جمع کرنے کی خواہش نہ گھر والوں کے ساتھ وقت گزاری نہ احباب کے ساتھ لطف وسرور ایک ہی تمنا ایک ہی دھن ایک ہی جستجو کہ اللہ کے بندے اللہ کی بندگی اختیار کریں۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس لئے ارادہ ہے کہ اسلام کی دعوت شاہان عالم تک پہنچادوں تاکہ پیغام ایزدی اور دعوت اسلامی سے کوئی شخص محروم نہ رہے۔ اس طرح خدائی محبت اس کے بندوں پر پوری ہو'' مختلف بادشاہوں کے پاس قاصد روانہ کرنے سے پہلے فرمایا ''یاد رکھو تمہاری ساری زندگی امر بالمعروف کی راہ میں صرف ہونی چاہئے۔ جو شخص اہل دنیا کے سارے معاملات میں شریک رہتا ہے اور امر بالمعروف کے ذریعہ خیر سے آگاہ نہیں کرتا اس پر خدا کی جنت حرام ہے۔'' اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر کم وبیش ڈیڑھ لاکھ صحابہؓ سے پوچھا ''قیامت کے دن میرے متعلق سوال ہوگا۔ بتلاؤ کیا میں نے دین کا پیغام تم تک پہنچادیا؟ سب نے جواب دیا ہاں آپ نے دین کا پیغام پہنچادیا پھر آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر فرمایا ہیں۔ ''اللھم اشھد'' اے اللہ تو بھی گواہ رہنا۔'' پھر فرمایا'' تم اس پیغام کو ان لوگوں تک پہنچادو جو آج موجود نہیں ہیں۔''

متذکرہ سیرت النبیؐ کے نکات دنیا کی بے ثباتی، آخرت کی فکر اور جذبۂ دعوت پر غور کریئے اور اپنا جائزہ لیجئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں! دنیا اور متاع دنیا کی محبت اور اس کے لئے کتنی جستجو اور محنت ہورہی ہے آخرت کی فکر کتنی ہے آخرت کی یاد کتنا بے چین کرتی ہے اور دعوت دین کے لئے کتنی فکر ستاتی ہے دعوتی جدوجہد میں کتنا وقت اور صلاحیت لگتی ہے۔ محض عشق ومحبت کی باتیں کرکے فلاح آخرت کے حقدار ہونا ناممکن ہے۔ امت مسلمہ کو دنیا کی محبت کو دلوں سے نکالنا ہوگا۔ آخرت کی باز پرس اور میدان حشر کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے اور جو کچھ اللہ نے وقت، مال، صلاحیت اور مواقع عطا کئے ہیں دعوت اسلامی کی جدوجہد میں صرف کرنا چاہئے۔ یہی امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے اور یہی رسول اللہؐ کے امتی ہونے کا تقاضا بھی ہے۔ جو افراد ان چیزوں پر عامل ہوں گے انشاء اللہ رحمت حق ان ہی پر سایہ فگن ہوگی اور کامیابی وکامرانی ان ہی کے حصے میں آئے گی۔

●●

اخلاق زندگی کا بیش قیمت سرمایہ ہے

مولانا محمد فاروق خاں

انسان کو جو چیز عام مخلوقات کے مقابلے میں ممتاز کرتی ہے وہ ہے اخلاق۔ انسان اگر اخلاق سے عاری ہو تو اس سے بڑھ کر کسی افلاس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ زندگی کا بیش قیمت سرمایہ اخلاق ہی ہے۔ لیکن بالعلوم لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔ یہی سب سے بڑی گمراہی ہے۔

انسان کو اگر اپنی قدر وقیمت کی پہچان ہوجائے تو پھر وہ اس کا اہل ہوسکتا ہے کہ وہ بڑی سے بڑی ذمہ داریوں اور اپنے فرائض کا حق ادا کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں اور حکماء نے سب سے زیادہ زور اخلاق اور سیرت کی درستی پر دیا ہے۔

انسان سے کسی خاص قسم کے اخلاق کے مطالبے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ انسان کو ارادہ وعمل کی آزادی حاصل ہے۔ پھر انسان کی زندگی میں کسی اعلیٰ نظام اخلاق کا تصور اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس کا کوئی ایسا مقصود ومنتہا ہو جو مطلق قدر کا حامل ہو۔ جس کی طرف بڑھنے اور جس کے حصول پر اس کی تکمیل کا انحصار ہو۔

زندگی کا کوئی بلند تر مقصد ومنتہا ہی انسان کو ہر قسم کی گمراہی اور تلون وانتشار سے بچا کر زندگی کے فطری راستے پر لگا سکتا ہے۔

انسانی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصود کبھی بھی مادی مفادات نہیں ہوسکتے۔ مادی مفادات کو انسان کی ذات اور اس کی شخصیت پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ پھر ان کو بنی نوع انسان کا اصل مقصود کیسے کہا جاسکتا ہے۔ خود یہ کائنات صرف افادیت یعنی جس سے ہمارے مادی مفادات وابستہ ہوتے ہیں کی مظہر نہیں ہے۔ اس کے اندر دوسرے قابل قدر اشارے بھی پائے جاتے ہیں۔ مادی افادیت سے برتر ہیں وہ چیزیں جو زندگی کو معنویت سے ہمکنار کرتی ہیں۔ زندگی کو معنویت سے ہم کنار کرنے والی چیزوں کا کسی نہ کسی پہلو سے اخلاقیات سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اخلاق ہمارے ظاہر ہی کا نہیں ہمارے اندرون کا بھی قانون ہے جے ایس ہالڈ نے کہا ہے کہ ''زندگی اور انسان کی ذات (Personality) کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات کی مادی تعبیر ممکن نہیں ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا اصل منبع وجود کوئی نہیں ذہن وارادہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں کائنات خدا کے ارادے کا مظہر ہے۔ اس لئے انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے ارادہ واختیار کی دنیا میں یعنی اپنے اخلاق وکردار کے معاملہ میں رب کائنات کے احکام کی پیروی کرے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ انسان صفات خداوندی اور اپنی زندگی کے درمیان مطابقت پیدا کرے۔ انسان کی زندگی میں حقیقی حسن واعتدال اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

حکماء کا کہنا ہے کہ خلق حقیقت میں انسان کی باطنی صورت یا کیفیت کا نام ہے جس سے اعمال کا صدور ہوتا ہے۔ آدمی کی باطنی ہیئت کا اندازہ اس کے مزاج، ذوق اور رجحانات کے واسطے سے کیا جاسکتا ہے۔ رسکن (Ruskin) نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ذوق حقیقت میں اخلاق کا کوئی جزو نہیں بلکہ ذوق ہی اصل اخلاق ہے۔ یہاں یہ بات جان لینے کی ہے کہ اخلاق صرف کچھ باتوں کے جان لینے اور سمجھ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ سیرت وکردار کی درستی اور اپنے اندر صحیح ذوق پیدا کئے بغیر کوئی شخص با اخلاق نہیں ہوسکتا۔

اخلاق کی زندگی میں کیا قدر وقیمت ہے۔ اس کا اندازہ پیغمبر اسلام اور دوسرے بزرگوں یا حکماء کے ارشادات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

- ★ خدا نے مجھے اخلاقی خوبیوں اور اچھے کاموں کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے۔
- ★ تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو اخلاق کے لحاظ سے تم میں سب سے اچھے ہیں۔
- ★ یہ پوچھنے پر کہ انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ فرمایا ''حسن اخلاق''۔
- ★ تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو جو تم سے بدسلوکی سے پیش آئیں۔ تم انہیں دو جو تمہیں نہیں دیتے۔
- ★ دین خیرخواہی کا نام ہے۔
- ★ نرمی جس چیز میں ہوتی ہے وہ اسے خوبصورت بنادیتی ہے اور جس چیز سے نرمی کو الگ کرلیا جاتا ہے وہ عیب دار ہوجاتی ہے۔
- ★ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: اعلیٰ درجہ کا فیاض وہ شخص ہے جو ایسے لوگوں سے حسن سلوک کرے جن سے اسے کوئی اُمید نہ ہو۔
- ★ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا ارشاد ہے: تمہارے ساتھ کوئی نیکی کرے یا بدی تم ہر ایک کے ساتھ احسان کرو۔
- ★ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: نیک عمل وہ ہے جس کے پیچھے یہ امید کام نہ کررہی ہو کہ لوگ اس کی تعریف کریں گے۔
- ★ ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا تاثر اس طرح بیان فرمایا ہے کہ کوئی بھی شخص خوش خوئی (حسن اخلاق) کے بغیر بلند مرتبہ حاصل نہیں کرسکتا۔

حسن جب حیات کی شکل اختیار کرتا ہے تو حسن اخلاق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایمرسن کا قول ہے:

- ★ ''خوبصورتی کو اپنے اندر تلاش کرو یہ تمہیں اور کہیں نہیں ملے گی۔''
- ★ حکیم بوعلی سینا نے بھی کہا ہے: حقیقی خوبصورتی اور حسن کا سرچشمہ دل ہے۔
- ★ پوپ الیکزنڈر کا قول ہے: کاش اس حقیقت کا پتہ چل جائے (یعنی کاش لوگ جان سکیں) کہ دنیا میں سچی خوشی کا سرچشمہ حسن سیرت ہے۔
- ★ سقراط نے کہا ہے: خوش اخلاق ہونا حکمت کا ماحصل ہے۔ اس سے امن اور سلامتی حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔
- ★ افلاطون نے کہا ہے: ''فیاض تو حقیقت میں وہی ہے جو شریف شخص کو سوال کرنے سے بچانے کی غرض سے بے مانگے دے۔''
- ★ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بھی ارشاد ہے کہ کرم کے معنی ہیں مانگنے سے پہلے دینا اور وقت پر احسان وسلوک کرنا۔
- ★ بنجمین فرینکلین (Benjamin Franklin) کا قول ہے: ''برے کام اس لئے برے نہیں ہیں کہ وہ ممنوع (حرام) ہیں بلکہ برے اس لئے ہیں کہ وہ مضرت ہیں۔''
- ★ رویندر ناتھ ٹیگور نے کہا ہے: ''برائی کے بدلے میں نیکی کرو اسی طرح جس طرح خاک اور دھول خود توہین برداشت کرلیتی ہے۔ اس کے بدلے میں پھولوں کا تحفہ پیش کرتی ہے۔''
- ★ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دوسرے کی ضرورت اور حاجت دیکھ کر اس کے مانگے بغیر اس کی مدد کرو۔ یعنی اس کا انتظار نہ کرو کہ وہ تمہارے سامنے اپنی ضرورتیں رکھے۔''
- ★ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ دل آزاری ہے خواہ دل آزاری مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی۔''
- ★ سقراط کا قول ہے: بھاری کام کرو بھاری سامان جمع کرنے کی فکر میں نہ پڑو۔'' بات کتنی سچی ہے۔ حقیقی کامیابی عظیم خدمت انجام دینے میں ہے نہ کہ اپنے لئے زیادہ سے زیادہ دنیوی مال ومتاع جمع کرنے میں۔
- ★ حضرت علیؓ کا قول ہے: ''جب آدمی کا اخلاق اچھا ہوتا ہو تو اس کی گفتگو میں لطافت اور شیرینی آجاتی ہے۔''
- ★ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''مومن اپنی خوش خلقی کے ذریعہ سے رات کو عبادت کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے شخص کا درجہ حاصل کرلیتا ہے۔''

●●

تاریخ آزادی سے مسلمانوں کو حذف کرنیکی کوشش

محمد اشرف الہدیٰ آروی، بھوجپور، بہار

آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم اور عظیم مجاہد آزادی مولانا آزادؒ کی آزادی کے لئے قربانیوں کے بارے میں ابھی بھی ملک کے عام شہری بہت کم جانتے ہیں۔ اس ضمن میں کوئی خصوصی سروے کرائیں تو احساس ہوگا کہ مولانا آزادؒ اور ان کے ہمعصر قائدین مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا حسرت موہانیؒ، مولانا ظفر علی خاںؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی قربانیوں کے بارے میں برادران وطن کو کچھ بھی نہیں پتہ ہے۔ اب تو ایسا لگتا ہے کہ مسلم ملت بھی ان کی قربانیوں کو فراموش کردے گی۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ آزادی کے بعد ملک کے جو سیاسی حالات بنے اس سے فائدہ اٹھا کر ملک میں دانشوروں کے ایک خاص طبقے نے ملک کی آزادی کی طویل تحریک کی غلط تصویر پیش کی ہے جس میں مسلم رہنماؤں کی خدمات کو بہت کم کرکے پیش کیا گیا۔ آزادی کے فوراً بعد مسلم دانشوروں کی ایک بڑی تعداد تو نقل مکانی کرگئی اور جو تعداد بچ گئی وہ احساس کمتری کا شکار ہوگئی۔ اس امر کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اعلیٰ عہدوں پر براجمان فرقہ پرست دانشوروں نے آزادی کی تاریخ کو قصداً مسخ کرادیا۔ تحریک آزادی کے بڑے بڑے مسلم لیڈروں کے قد کو بہت چھوٹا کردیا گیا اور اپنی پسند کے رہنماؤں کے قد کو بہت اونچا کیا گیا۔ اب اگر برادران وطن کے درمیان کبھی جنگ آزادی سے متعلق گفتگو کرنے کا موقع ملتا ہے تو بعض معلومات پر وہ اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ کچھ لوگ تو باتوں کا کبھی یقین ہی نہیں کریں گے کہ کیا کبھی ایسا بھی ہوا تھا۔

وطن عزیز کا ایک عام پڑھا لکھا آدمی بھی ابراہیم لنکن، جارج واشنگٹن، مارٹن لوتھر کنگ وزیر اعظم چرچل، ملکہ الزبیتھ، ملکہ وکٹوریہ، ہوچی منہ کمیونسٹ رہنما لینن، اسٹالن، مسولینی اور جرمن ڈکٹیٹر ہٹلر کے بارے میں تو اچھی خاصی معلومات رکھتا ہے لیکن مولانا آزادؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، اور آزادی کے ان جیسے متوالوں کے بارے میں کچھ بھی جاننے کی کوئی فکر نہیں کرتا! کیا آزادی کے بعد اسکولوں، کالجوں کی کورس کی کتابوں میں، مقابلہ جاتی امتحانوں میں، یونیورسٹیوں کی درسی کتابوں میں ان رہنماؤں کے بارے میں کچھ بھی بتلانے کی ضرورت محسوس کی گئی؟

آزادی کے بعد جب ملک میں فرقہ پرستی بڑھ رہی تھی، ملک کے دو بڑے طبقوں کو ایک دوسرے سے دور کیا جارہا تھا، ان میں فکری اور ذہنی دوریاں بڑھ رہی تھیں۔ لیکن ان دوریوں کو کم کرنے کے لئے اگر سیاستدانوں نے کوئی کامیاب کوشش نہیں کی تو دانشوروں نے بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اگر ملک کے دانشور چاہتے تو یہاں کا عام آدمی، جو تقسیم وطن کے لئے مسلمانوں کو ذمہ دار مانتا ہے، جس کے نتیجہ میں ملک کو بیشمار ہولناک فرقہ وارانہ فسادات کو جھیلنا پڑا، کے ذہن میں یہ باتیں ہوتیں کہ وطن کی آزادی کی جدوجہد اور لڑائی میں مسلمانوں اور ان کے قائدین نے دوسروں سے بڑھ کر قربانیاں دی ہیں اصل اقتدار انگریز نے مسلمانوں ہی سے چھینا تھا اور غلامی سے سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں ہی کو ہوا تھا۔ اس صورت میں ملک میں فرقہ پرستی اتنی نہ بڑھتی جتنی آج اس کی بدترین شکل دیکھنے کو ملتی ہے۔

آخر مولانا محمد علی جوہرؒ کے نام پر عربی اور فارسی یونیورسٹی ہی کیوں بنتی ہیں؟ ان کے نام پر کوئی نیشنل یونیورسٹی، انجینئرنگ اور میڈیکل یونیورسٹیاں، کوئی بڑا اسپتال، کوئی نہر، کوئی ڈیم، کوئی ہائی وے، کوئی انٹرنیشنل ایئر پورٹ کیوں نہیں بنتا۔ ان کے نام سے عام شہریوں کے لئے کوئی بڑی فلاحی اسکیم کیوں نہیں شروع کی جاتی۔ اس ملک کی یہ قسمتی ہے کہ ملک کی آزادی کے لئے جان نچھاور کرنے والی شخصیتوں کو ایک خاص فرقہ، ایک خاص مذہب یا ایک خاص زبان سے منسلک کردیا جاتا ہے۔ نتیجتاً ملک کی اکثریتی آبادی یہ سوچنے لگتی ہے کہ مولانا آزادؒ جیسے رہنماؤں کے نام پر فاؤنڈیشن اور یونیورسٹی بنا کر صرف مسلمانوں اور اُردو کو فائدہ پہنچایا جاتا ہے۔ لہٰذا ان کے بارے میں ہمیں کچھ بھی جاننے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ایک بڑا سوال ہے، جس کے بارے میں ملک کے تمام سیکولر لوگوں کو کچھ نہ کچھ سوچنا پڑے گا۔ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب ایسی شخصیتوں کا یوم پیدائش وغیرہ منایا جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر مقررین اور خصوصی مدعوئین بازاروں اور کتاب کی دوکانوں میں ایسے رہنماؤں کو سوانح عمریاں تلاش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن ایسی جگہوں پر بھی انہیں مایوسی ہاتھ لگتی ہے۔ یہ کتنا بڑا سانحہ ہے کہ آزاد ملک کے ارباب اقتدار نے ملک کو انگریزوں کے ظالم ہاتھوں سے نجات دلانے کے لئے کی گئی عظیم جدوجہد کو ملک کے عوام کے سامنے رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

ملک کے اکثریتی طبقہ کے لوگوں کو یہ نہیں بتایا گیا کہ انگریزوں کی ظالم حکومت نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے اثرات کو ناکام بنانے کے لئے انسانیت اور شہری حقوق کے تمام ضابطوں کو روند ڈالا۔ اس کے بعد تو دہائیوں تک ان انگریزوں نے اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے وہ سبھی غلط کام کئے جو اس کو نہیں کرنے چاہئے تھے۔ صرف دہلی میں بغاوت کو کچلنے کے نام پر ہزاروں مسلمانوں نے اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کیں اپنے گھروں اور کاروبار کو برباد کیا۔ آزادی کے متوالوں کے جوش کو دبانے کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کو کس طرح زمینوں، جائدادوں سے بے دخل کیا گیا۔ بنگال میں نواب سراج الدولہؒ اور میسور میں نواب حیدر علیؒ اور ٹیپو سلطانؒ کی عوامی حکومت کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے لئے کتنے معصوم ہندوستانیوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا، کیا تاریخ عالم ٹیپو سلطان شہیدؒ کے ذریعہ دی گئی قربانی کی دوسری مثال پیش کرسکتی ہے۔ کیا ہندو بھائیوں کو بتایا گیا کہ بغاوت کی ناکامی کے بعد مجاہدین آزادی کے سردار بہادر شاہ ظفرؒ کو کن حالات میں ملک سے نکال دیا گیا اور ان کے مورال کو توڑنے کے لئے اس بادشاہ کے دو صاحبزادوں کا سر قلم کرکے اس بوڑھے باپ کے سامنے پیش کیا گیا۔

ایسی ایسی بے شمار قربانیاں مسلمانوں نے ملک کی آزادی کے لئے پیش کی ہیں لیکن افسوس صد افسوس کہ ان کی قربانیوں کے بارے میں برادران وطن کو بتلایا ہی نہیں گیا۔

یہ بات کتنے لوگوں کو پتہ ہے کہ مولانا آزادؒ کتنے لمبے عرصے تک کانگریس کے صدر رہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ کیسے انگریزی حکومت کی چولیں ہلادیں۔ وہ مسلم لیگ اور جناح کے اصولوں کے آگے کیسے چٹان بن کر کھڑے ہوگئے اور ان کا مقابلہ کیا۔

مولانا آزادؒ نے شروع سے ہی تقسیم وطن کی مخالفت کی۔ آزادی کے بعد اقتدار کے گلیاروں میں کمیونسٹ اور ترقی پسند قوتوں کی اپنی حیثیت رہی ہے۔ لیکن ان کی قیادت نے بھی بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی کو لگام دینے کے لئے کوئی خاص کام نہیں کیا۔ ان ترقی پسند سیاستدانوں نے مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے کچھ خوش گوار اور جذباتی باتیں ضرور کہیں لیکن کرشنا مینن، موہن کمارا منگلم، پی کے دھر، راجیشور راؤ، اندر جیت گپتا، ایس اے ڈانگے، ہیم وتی نندن بہوگنا، چندر شیکھر، موہن دھاریہ وغیرہم کے اقتدار کے گلیارے میں سرگرم رہتے ہوئے ملک میں فرقہ پرستی اس حد تک کیسے بڑھ گئی؟ ایک سیاسی مبصر نے بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی کے بارے میں کہا تھا کہ ملک کی سیکولر قوتوں کو دو اہم مواقع ایسے ملے تھے جب وہ فرقہ پرستی پر کھل کر وار کرسکتے تھے۔ ایک موقع وہ تھا جب گاندھی جی کو گولی ماری گئی تھی اور دوسرا موقع بحث تھا جب گاندھی جی کی جنم بھومی گجرات میں ۲۰۰۲ء میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا لیکن سیکولر قوتوں نے ان دونوں موقعوں کو گنوادیا۔

اس سلسلے میں پرانے سوشلسٹ لیڈر راج نارائن جو ایک ایسے سیاستدان رہے ہیں، جنہوں نے کھل کر فرقہ پرستی پر وار کیا، انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی کہ فرقہ پرستی کے خلاف تحریک سے اقتدار کی کرسی رہے گی یا چلی جائے گی۔ اس وقت کے بڑے بڑے کانگریسی لیڈر اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ جو کام راج نارائن اکیلے کررہے ہیں، اس کام کو ہم لوگوں کو کرنا چاہئے تھا۔ اسی فرقہ پرستی کے خلاف لڑائی لڑتے ہوئے راج نارائن دہلی کی راج گدی سے ہٹادیئے گئے۔ آج یونانی اور آیوویدک طریقہ علاج کو جو عزت اور مقام حاصل ہے وہ راج نارائن کی دین ہے۔ انہوں نے ۱۹۷۷ء میں جنتا پارٹی کی حکومت میں وزیر صحت کی حیثیت سے پہلا کام یہی کیا تھا کہ یونانی اور آیورویدک طریقہ علاج کو مرکزی حکومت کی وہی سرپرستی حاصل ہوگی جو انگریزی طریقہ علاج کو حاصل ہے۔ انہوں نے حکیموں اور ویدوں کو ملنے والی تنخواہوں کو بھی ایم بی بی ایس ڈاکٹروں کے مساوی کرایا اور ساری مراعات اور سہولتیں بھی فراہم کردیں۔

ملک میں فرقہ پرستی کے پھیلے ہوئے زہر کو بہت ہی ہلکے طور پر لیا گیا ہے۔ اس ملک کے سیاسی لیڈر ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی، بھائی چارہ، امن چین اور ترقی یافتہ ماحول کے لئے فرقہ پرستی کو ختم کرنے کی اہمیت کو سمجھ نہیں پارہے ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں اندرا گاندھی کی دعوت پر جب سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان ہندوستان تشریف لائے تو ہوائی جہاز سے اُترنے کے بعد پہلی پریس کانفرنس میں ان کے ذریعہ کہی گئی باتوں نے ملک میں تہلکہ

باقی صفحہ ۵ پر

دعوت

۷رفروری ۲۰۰۹ء

عراق سے واپسی، افغانستان پر توجہ

نئے امریکی صدر بارک حسین اوبامہ نے ایک بار پھر عراق کے تعلق سے یہ اعلان کیا ہے کہ ایک سال کے اندر وہاں تعینات ایک لاکھ ۴۰ ہزار امریکی فوجیوں کی اکثریت وطن واپس آجائے گی۔ این بی سی ٹیلی ویژن کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں انہوں نے واضح طور پر کہا کہ چونکہ اب عراق اپنی سلامتی کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہیں اور حال میں ہوئے عراق کے صوبائی انتخابات بھی پرامن رہے جو عراق میں صدام حسین کی برطرفی کے لئے شروع کی گئی امریکی مہم کے بعد اب تک کے سب سے پرامن انتخابات تھے۔ اس لئے آئندہ برس تک بڑی تعداد میں امریکی فوجی عراق سے واپس آجائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی امریکی صدر نے یہ بھی کہا کہ افغانستان کی صورتحال کے پیش نظر وہاں فوجیوں کی تعداد ۳۶ ہزار سے بڑھا کر آئندہ ڈیڑھ برسوں میں ۶۰ ہزار سے بھی زیادہ کردی جائے گی۔

مسٹر اوبامہ جنہیں وراثت میں دو جنگیں عراق اور افغانستان ملی ہیں، عراق سے افواج کی واپسی پر وہ پہلے بھی زور دیتے رہے ہیں۔ اپنی انتخابی مہم کے دوران انہوں نے سابقہ بش حکومت کی عراق پالیسی پر سخت نکتہ چینی بھی کی تھی اور اقتدار میں آنے پر عراق سے ۱۶ ماہ کے اندر افواج واپس بلانے کا اعلان بھی کیا تھا۔ انہوں نے اپنی حلف برداری کے وقت بھی جو تقریر کی تھی اس میں بھی انہوں نے کہا تھا کہ وہ عراق سے ذمہ دارانہ طریقے سے افواج کی واپسی چاہتے ہیں۔ صدر بننے کے بعد انہوں نے پہلی بار عراق سے افواج کی واپسی کو یقینی بنانے کے لئے ٹائم ٹیبل بھی مقرر کردیا۔ جس کے لئے سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش آخر تک تیار نہیں تھے۔ اس کے لئے انہوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی ان کی مقبولیت کا گراف گھٹ کر بالکل نچلی سطح پر پہنچ گیا۔ ان کی ریپبلکن پارٹی پہلے کانگریس کے وسط مدتی انتخابات پھر صدارتی انتخابات میں ہار گئی۔

بتایا جاتا ہے کہ عراق سے افواج کی واپسی نئے امریکی صدر کے ترجیحاتی ایجنڈے میں شامل ہے۔ اس کے لئے وہ فوج کے سربراہوں کے ساتھ میٹنگیں بھی کرچکے ہیں۔ صرف واپسی کی ہدایت پر دستخط کرنا اور اس کا عمل شروع ہونا باقی ہے اور عراقیوں کو اسی کا انتظار ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا عراقی واقعی اپنی سلامتی کی ذمہ داری لینے کے اہل ہوگئے ہیں۔ یہ سوال اس وقت اور بھی اہم ہوجاتا ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ ابھی پچھلے مہینے تک جب وہ اس کے اہل نہیں تھے اور سابقہ بش انتظامیہ نے ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا تو مسٹر اوبامہ کے اقتدار سنبھالتے ہی عراق میں اچانک ایسی کیا تبدیلی آگئی کہ عراقی سیکورٹی فورسیز نا اہل سے اہل ہوگئیں۔ ہوسکتا ہے کہ اوبامہ حکومت عراق سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتی ہو اور سابقہ حکومت کی طرح وہ اپنے عوام کی ناراضگی مول لینا نہیں چاہتی ہو۔ ویسے بھی بچے کھچے اتحادی ممالک بھی اپنی افواج کی واپسی کا اعلان کرچکے ہیں تو تنہا رہنے کی صورت میں امریکی افواج کو قابض ہی کہا جائے گا۔ شاید اوبامہ انتظامیہ یہ کہلانا پسند نہ کرتی ہو۔ لیکن جہاں تک عراق کی سیکورٹی کا تعلق ہے تو یہ بات صحیح ہے کہ بیشتر صوبوں میں سلامتی کی ذمہ داری عراقی فورسیز نے سنبھال لی ہے۔ لیکن ان کی پشت پر امریکی یا دیگر غیر ملکی افواج کھڑی رہتی ہیں۔ ایسے حالات میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ عراق اپنی سیکورٹی سنبھالنے کا اہل ہوگیا ہے۔ ہاں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عراقی غیر ملکی افوج سے نجات چاہتے ہیں ورنہ اپنے ۴۲۳۶ فوجیوں کی جانیں گنوانے اور ہزاروں فوجیوں کو معذور واپاہج بنانے والا امریکہ اپنے ناجائز مقاصد کو حاصل کئے بغیر عراق سے واپس کیسے جاسکتا ہے۔

نئے امریکی صدر نے عراقی دلدل سے نکلنے کا اعلان تو کردیا لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے افغانستان پر اپنی پوری توجہ مرکوز کرنے کی بات کہی ہے جو قبضے میں آکر پھر سے ہاتھ سے نکلتا ہوا دکھائی دے رہا ہے اور امریکہ وناٹو کی افواج کی شکست کی پیش گوئی کی جارہی ہے۔ وہاں اب تک ۶۴۴ امریکی فوجی مارے جاچکے ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں حملے کے وقت جو صورتحال تھی اس سے کہیں زیادہ خطرناک صورتحال اس وقت ہے۔ کوئی بعید نہیں مسٹر اوبامہ اس پہلو سے سوچتے ہوں کہ ایک ساتھ دو محاذوں پر جنگ کا تجربہ کافی تلخ رہا ہے۔ اس لئے وہ عراق سے افواج واپس بلا کر اپنی پوری توجہ صرف افغانستان پر مرکوز کرنا چاہتے ہوں۔ عراق پر حملہ کرکے خطے میں مستقل فوجی اڈے قائم ہوگئے۔ اب افغانستان کا نمبر ہے جہاں سے امریکہ کے نشانے پر کئی ممالک ہیں۔ سابق امریکی صدر نے عراق پر حملہ کرکے خطہ کے ممالک کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کا کام تو کردیا لیکن افغانستان میں ان کے ادھورے کام کو مسٹر اوبامہ پائے تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے وہ اس پر زیادہ زور دے رہے ہیں لیکن یہاں بھی شاید ہی امریکہ کے تمام مقاصد حاصل ہوں۔

فلسطینیوں کو متحد کرنیکی نئی کوشش کی ابتدا صحیح نہیں ہے

فلسطینیوں کی نمائندہ تنظیم کون ہے اس کا فیصلہ نہ تو صدر عباس کرسکتے ہیں اور نہ حماس، یہ تو عوام پر چھوڑ دینا چاہئے

فلسطین کے دو متحارب گروپوں الفتح اور حماس کو ایک بار پھر قریب کرنے اور فلسطینیوں کے کاز کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ یہ کوششیں کہاں سے ہورہی ہیں اور کون لوگ کررہے ہیں یہ تو پتہ نہیں چل سکا لیکن ایسی اطلاعات ضرور آرہی ہیں کہ مغربی ممالک فلسطینی صدر پر خطہ کے مسئلہ کا دوریاستی حل اسرائیل اور فلسطین تلاش کرنے پر زور دے رہے ہیں۔ جب کہ اس وقت عملی طور پر فلسطین ہی میں دو حکومتیں ہیں۔ مغربی کنارے میں صدر محمود عباس کی حکومت ہے جب کہ غزہ پٹی میں حماس کی۔ حماس اور الفتح کی طرف سے مفاہمتی مذاکرات کے سلسلے میں جس طرح کے بیانات سامنے آرہے ہیں ان سے بات شاید ہی آگے بڑھ سکے۔

گزشتہ دنوں حماس نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اگر تنظیم آزادی فلسطین (پی ایل او) اور الفتح میں تبدیلی کی جائے تو وہ مذاکرات کرنے کو تیار ہے۔ فلسطینی صدر محمود عباس نے پہلے تو مصری راجدھانی قاہرہ میں اس پر سخت ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ان لوگوں سے بات چیت نہیں کی جائے گی جو تنظیم آزادی فلسطین (پی ایل او) کی بنیاد کو مسترد کرتے ہیں۔ انہیں واضح طور پر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ تنظیم آزادی فلسطین ہی فلسطینیوں کی نمائندہ تنظیم ہے۔ اس کے بعد انہوں نے پیرس میں بھی فرانسیسی صدر نکولس سرکوزی سے ملاقات کے بعد نامہ نگاروں سے کہا کہ وہ حماس کے ساتھ مذاکرات کے لئے تیار ہیں تاہم الفتح کی مکمل تبدیلی ناقابل قبول ہے اس پر حماس نے جوابی ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اگر صدر محمود عباس اسی طرح پی ایل او کی بالادستی قبول کرنے پر اصرار کرتے رہے تو حماس فلسطین کے مفاہمتی مذاکرات کو آگے نہیں بڑھائے گی۔

دراصل دونوں گروپوں نے عوام اور عالم اسلام کے احساسات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی اپنی بالادستی کو وقار کا مسئلہ بنالیا ہے اور وہ ایک دوسرے کے ماتحت یا ایک دوسرے کی مداخلت کے ساتھ کام کرنا پسند نہیں کرتے۔ ان کی باہمی لڑائی کی اصل وجہ بھی یہی ہے۔ مکہ اعلامیہ بھی ناکام اسی وجہ سے ہوا تھا کہ دونوں گروپوں نے اعلامیہ پر اپنے اختلافات اور بالادستی کے جذبہ کو ترجیح دی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محمود عباس فلسطین کے صدر ہیں اور جنوری ۲۰۰۶ء کے پارلیمانی انتخابات میں حماس زبردست عوامی حمایت سے کامیاب ہوئی تھی۔ اگر صدر عباس اپنی سیاسی پارٹی الفتح کو فلسطینیوں کی نمائندہ جماعت بناتے ہیں تو حماس بھی ۲۰۰۶ء کے پارلیمانی انتخابات میں یہ مقام حاصل کرچکی ہے۔ جب اس نے الفتح کو شکست دے کر اقتدار پر قبضہ کیا تھا۔ بلدیاتی انتخابات میں بھی عوام نے حماس ہی پر اعتماد کیا تھا۔ اوسلو معاہدے کے بعد فلسطینی حکومت میں وہ پہلا پارلیمانی الیکشن تھا اس کے نتائج کے پیغام کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

جس طرح پی ایل او نے فلسطینی حکومت کے قیام میں اہم رول ادا کیا تھا اسی طرح جدوجہد آزادی فلسطین میں حماس نے بھی بہت اہم رول ادا کیا تھا خصوصاً اس کے انتفاضہ کے رول سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں تک فلسطین میں نام نہاد حکومت کے قیام اور غزہ پٹی کی آزادی کا تعلق ہے تو یہ نہ تو پی ایل او اور الفتح کی دین ہے اور نہ ہی حماس کی بلکہ مجموعی طور پر تمام فلسطینیوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ بالادستی کسے حاصل ہوگی یہ فیصلہ نہ تو فلسطینی صدر کرسکتے ہیں اور نہ حماس۔ یہ فیصلہ تو عوام کریں گے کہ فلسطین پر حکومت کس کی ہوگی اور کس پارٹی کو بالادستی حاصل ہوگی۔ پی ایل او پر الفتح کی اجارہ داری پر اصرار کرنا تمام فلسطینیوں کی جدوجہد آزادی سے انکار کے مترادف ہے۔ حماس کی اس بات میں کوئی بھی قابل اعتراض پہلو نہیں ہے کہ پی ایل او کے پلیٹ فارم کو ذاتی یا کسی مخصوص سیاسی پارٹی کے مفادات کے لئے استعمال نہ کیا جائے بلکہ اسے ایک ایسی تنظیم میں بدل دیا جائے جس میں الفتح کا اثر ورسوخ کم ہو اور اس میں تمام فلسطینی تنظیموں کو نمائندگی دے کر اسے صحیح معنوں میں فلسطینیوں کی نمائندہ تنظیم بنائی جائے۔

الفتح اور حماس کے درمیان دوری جنوری ۲۰۰۶ء کے پارلیمانی انتخابات سے پہلے سے تھی جو انتخابات میں حماس کی زبردست کامیابی کے بعد اور بڑھ گئی۔ صدر محمود عباس بڑی مشکل سے حماس کی قیادت میں حکومت بنانے کو تیار تو ہوئے لیکن وہ حکومت بھی زیادہ دنوں تک نہیں چل سکی۔ مسٹر عباس اور حماس کے درمیان بالادستی کی لڑائی مسلسل چلتی رہی حتی کہ سعودی عرب کی مداخلت کے بعد حماس متحدہ حکومت بھی بنانے کو تیار ہوگئی اور مکہ معاہدہ کے نتیجے میں متحدہ حکومت بھی بن گئی لیکن اختلافات اس پر بھی حاوی رہے حتی کہ ۲۰۰۷ء میں صدر عباس نے غیر قانونی طریقہ سے حماس حکومت کو برطرف کردیا۔ اس کے بعد الفتح اور حماس کے درمیان باقاعدہ لڑائی ہوئی جس میں صدر عباس تو مغربی کنارے کو اپنے کنٹرول میں رکھنے میں کامیاب رہے لیکن حماس بھی غزہ پر قابض ہوگئی۔ تب سے دونوں گروپ فلسطین میں دو حکومتوں کا تصور پیش کررہے ہیں جو مغربی ممالک کے لئے قبول نہیں، وہ خطہ کے مسئلہ کا دوریاستی حل تو چاہتے ہیں سہ ریاستی نہیں۔ وہ فلسطینیوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور حماس کو حاشیہ پر کرنے کی کوشش تو کررہے ہیں لیکن انہیں کامیابی نہیں مل رہی ہے۔ حالیہ غزہ حملے میں صدر عباس نے جس طرح کا طرز عمل ظاہر کیا اس سے حماس کو اور فلسطینیوں کو اور بھی مایوس ہوئی۔ اگر حالات ایسے ہی رہے اور دونوں گروپ اپنے اپنے مفادات کی بات کرتے رہے تو ان کا یکجا ہونا مشکل ہے۔ کوئی بھی بات چیت اسی وقت کامیاب ہوتی ہے جب وہ غیر مشروط ہو۔

●●

فلسطینیوں کی کامیابی عزم وحوصلہ اور بیداری کی نئی مہمیز

اسرائیل کی غزہ پٹی میں ۲۲ روزہ سرکاری، فوجی دہشت گردی کے بعد ذلت آمیز شکست نے ثابت کردیا ہے کہ صہیونی، صلیبی اور دوسری فسطائی طاقتوں کے وہ دن لد چکے ہیں جب وہ پورے عالم اسلام کو غلام بنائے ہوئے تھے اور پھر ان کے اندر پیدا ہونے والی حریت کی لہر اور بیداری کی راہیں مسدود کرنے کی کوشش کررہے تھے اور اس کے بعد وہ دور بھی گزر چکا ہے کہ جب مسلمانوں کو ملکوں، خطوں اور علاقوں سے خارج کردینے کے خواب دیکھے جارہے تھے۔ ان کو دنیا سے ناپید کردینے اور مٹادینے کے منصوبے بنائے جارہے تھے اور پھر وہ دور آیا تھا جب انہیں مار مار کر بے دست وپا کرنے ان کے حوصلے مردہ کردینے اور ہمتیں توڑدینے کی سازشیں وکوششیں کی جارہی تھیں۔ اسرائیل کی اس جارحیت و دہشت گردی کی منصوبہ بندی صرف صہیونیوں نے ہی نہیں کی تھی بلکہ جیسا کہ دنیا کے سامنے یہ حقیقت واشگاف ہوکر آچکی ہے۔

پوری صلیبی دنیا امریکہ کی سربراہی میں عراق اور افغانستان کی دلدل میں خود کو بے بس دیکھنے کے بعد اور تہذیبوں کے ٹکراؤ کا طوفان کھڑا کرنے کے بعد علامتی طور پر ہی سہی ایک چھوٹے سے خطے میں حکومت کو نہیں تو کم ازکم ایک تنظیم ہی کو تباہ وبرباد کردینے کے لئے متحد ہوچکی تھی۔ یہاں تک کہ فسطائی ہندتووادی بھی عالمی نقشے پر صہیونی اور صلیبی بھیڑ میں گھس کر اپنا چہرہ دکھانے اور اپنا نام درج کرانے کے لئے سرگرم ہوگئے کہ بار بار کی ناکامی اور مسلسل شکست خوردگی ورجعت قہقری سے سبق لینے کی بجائے گرتے گرتے بھی ہاتھ پاؤں مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے ہیں۔

تمام اسلام دشمن طاقتوں کی متحد، منظم ومنصوبہ بند دہشت گردی کے باوجود چند حریت پسند غیرت مند دلاوروں کی جرأت مندی نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اگر اللہ اور اس کے پسندیدہ دین اسلام کی رسّی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر اسلام کے نام لیوا غیرت وحمیت اور جذبۂ ایمانی کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوں تو نہ صرف انتم الاعلون کا عملی مظاہرہ ہوجائے۔ بلکہ مسلمانوں اور اسلام کو ساری دنیا میں بالادستی حاصل ہوجائے۔ یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا ایک نیا نقشہ دنیا کے سامنے آجائے بلکہ ساری دنیا امن وانصاف، انسانی اخوت وبھائی چارہ کا پیکر بن جائے۔ دشمن اپنی دشمنی کو فراموش کرکے نہ صرف اطاعت وفرماں برداری کا پرچم اٹھاتے نظر آئیں بلکہ توحید اور قرآن وسنت کا علم بلند کرکے دنیا کو تمام برائیوں سے پاک کرتے ہوئے جنت کا نمونہ بنادیں اور خیر القرون سے دوبارہ دنیا کو روشناس کردیں۔ اس وقت غزہ پٹی میں جو کچھ ہوا بلاشبہ وہ جذبۂ جہاد وقربانی رکھنے والے چند افراد کا کارنامہ یا حوصلے کا نتیجہ ہے۔ جب کہ اگر یہی جذبہ وحوصلہ دنیا کے تمام ڈیڑھ سو کروڑ مسلمانوں کے اندر پیدا ہوجائے۔ انفرادی، تنظیمی اور اجتماعی سطح پر سب متحد ہوکر غیرت ایمانی، مومنانہ بصیرت اور جذبۂ حریت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں۔ اسلام کی تعلیمات کی صرف دہائی نہ دیں۔

اسلام کا صرف نام ہی نہ لیں اسلام کی صرف چند تعلیمات واحکام ہی کا نعرہ نہ لگائیں بلکہ ادخلوفی السلم کافۃ کا مظہر بن جائیں۔ تو دنیا کا نقشہ بدل جائے۔ ایک ایک قطرے کے جمع ہونے سے دریا اور سمندر بنتے ہیں ایک ایک فرد کے ملنے سے خاندان، تنظیم، جماعت، معاشرہ، ملت اور امت بنتے ہیں۔ ہر آدمی مقصد حیات کو پیش نظر رکھ کر جدوجہد کرے تو ملک عروج وترقی کی بلندیوں پر سرفراز نظر آئے۔ فلاح وکامرانی تمام مسلمانوں کے قدم چومیں۔ عوام اُٹھ کھڑے ہوں تو حکومتیں راہ راست پر آجائیں۔ ان کے حکمراں مسلم حکمراں نہیں اسلامی حکمراں اور خود وہ حکومتیں مسلم حکومتیں نہیں اسلامی حکومتیں وملکتیں بن جائیں اور یہ سب کچھ دوسروں سے توقع قائم کرنے، دوسروں پر لعن طعن اور طنز وتشنیع کرنے، چائے خانوں اور عافیت کدوں میں وقت گزاری کے لئے موضوع سخن اختیار کرنے تک محدود رہ کر نہیں انفرادی، اجتماعی، عوامی وسرکاری ہر سطح کے پختہ عزم وارادہ اور عملی جدوجہد ہدف بنا کر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ نہ حکمرانوں اور لیڈروں کے سروں پر ذمہ داری ڈال کر کامیابی وترقی حاصل کی جاسکتی ہے نہ عوام اور افراد کے خلاف حقارت آمیز شکایتیں کرنے سے۔ پوری ملت، ملت کے ایک ایک فرد، خاندان، محلہ، بستی، ملک وحکومت کو اعتصام بحبل اللہ کے ذریعہ منصوبہ بندی کرکے مقاصد کے حصول کی جدوجہد کرنی ہوگی۔ جس سے فوائد بھی افراد یا لیڈروں اور حکمرانوں ہی کو نہیں انفرادی واجتماعی طور پر سب کو حاصل ہوں گے۔

●●

مغربی بنگال کے حجاج کی پریشانی

نئی دہلی۔ مغربی بنگال کی سرکردہ مسلم تنظیموں کی متحدہ کمیٹی ملی اتحاد پریشد کے ایک وفد نے یہاں مرکزی حج کمیٹی کے چیئرمین اقبال احمد سرودگی سے ملاقات کی اور امسال دوران سفر ریاست کے حاجیوں کو درپیش مشکلات سے آگاہ کیا۔ وفد میں شامل ایڈوکیٹ ادریس علی نے بتایا کہ امسال ریاست کے عازمین حج ریاستی حکومت کی لاپرواہی کے سبب مختلف دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ رہائش اور ٹرانسپورٹ کا بھی معقول انتظام نہیں تھا اور خدام کی بھی کافی کمی تھی۔

بھٹکل اسلامک اکیڈمی کے امتحانات

بھٹکل۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل کے زیر اہتمام ۲۲رجنوری کو منعقدہ امتحانات میں ۳۵۶۷۶ طلبہ نے شرکت کی جس میں غیر مسلم طلبہ نے بھی کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اکیڈمی کے بانی وجنرل سکریٹری مولانا الیاس ندوی کے مطابق ۲۰۰۱ء میں تین سو پچاس طلبہ سے شروع ہونے والا یہ تعلیمی قافلہ ۳۵ ہزار تک پہنچ گیا ہے۔ ۲۰۰۷ء میں ۳۲ ہزار طلبہ میں سے ایک غیر مسلم طالبہ نے صد فیصد نمبر حاصل کرکے آٹھ گرام سونے کی اشرفی حاصل کی تھی۔

اسرائیلی جارحیت کے بعد عربوں کو نسل پرستی کا سامنا

مشرق وسطیٰ کی واحد ''نام نہاد جمہوریت'' میں قابل ذکر آبادی کو امتیازی سلوک کا سامنا ہے اور اسے ایک طرز زندگی سمجھا جاتا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں صہیونی ریاست کے قیام کے بعد سے عربوں کے ساتھ ناانصافی پر مبنی نسل پرستانہ برتاؤ کیا جارہا ہے لیکن حال ہی میں ان کے خلاف اس تعصب پسندانہ رویے میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔

اسرائیل میں انسانی حقوق کے لئے کام کرنے والے ایک فلسطینی گروپ کا کہنا ہے کہ یہودی کمیونٹی امتیازی سلوک کی حوصلہ افزائی کرتی ہے حتی کہ وہ فلسطینیوں کو ان کے آبادی علاقوں سے نکال باہر کرنے کی بھی حمایت کرتی ہے۔

حیفا میں قائم مساوات مشاورتی مرکز کے ڈائریکٹر جعفر فراح کا کہنا ہے کہ ''آپ اسرائیل میں کہیں بھی چلے جائیں آپ کو عربوں کی نمائندگی یا ان کی معاشرے میں ہم آہنگی کہیں نہیں ملے گی اور یہ بات بنیادی مراکز سے لے کر سرکاری اداروں تک ہر شعبہ زندگی میں پائی جاتی ہے۔

اسرائیل میں عربوں کی آبادی چودہ لاکھ ہے اور وہ صہیونی ریاست کی کل آبادی کا تقریباً بیس فی صد ہیں۔ ان میں نوے فیصد سے زیادہ عرب وادی الجلیل کے شہروں اور دیہات میں آباد ہیں۔ باقی دس فیصد تل ابیب، عکا اور جافا میں رہ رہے ہیں۔

لیکن اسرائیل کے آبائی باشندے ہونے اور ان کی قومی، نسلی، ثقافتی اور مذہبی پہچان کے باوجود عربوں کے ساتھ دوسرے درجے کے شہری کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔

''ہر شعبے کے لئے ریاستی وسائل مختص کرتے وقت باقاعدگی سے ہمارے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ فلسطینی عربوں کو مسلسل اقتدار کے مراکز سے دور رکھا جاتا ہے اور ان کی پالیسی سازی سے متعلق سرکاری اداروں میں نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔'' حیفا یونیورسٹی میں قانون کے لیکچرر یوسف جبرین نے العربیہ ڈاٹ نیٹ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

خلیج میں اضافہ

غزہ میں اسرائیل کی حالیہ جارحیت کے بعد سے عربوں اور یہودیوں کے درمیان فاصلے مزید بڑھ گئے ہیں۔ اسرائیلی عربوں نے اہل غزہ پر اسرائیلی فوج کے بائیس روز تک جاری رہنے والے جارحانہ حملوں کی بھرپور مخالفت کی تھی جب کہ یہودیوں نے اس کی حمایت کی تھی۔ اسرائیلی فوج کے حملوں میں تیرہ سو فلسطینی شہید ہوگئے تھے۔

رائے عامہ کے جائزوں کے مطابق اسرائیل کی ۹۴ فیصد یہودی آبادی نے صہیونی فوج کی جارحانہ جنگ کی حمایت کی تھی جب کہ ۸۵ فیصد عربوں نے اس کی مخالفت کی تھی اور باقی نے لاتعلقی کا اظہار کیا تھا۔

ایک اسرائیلی عرب خاتون شہری مشعل شرکاسی نے العربیہ ڈاٹ نیٹ کو بتایا کہ انہوں نے اور اسرائیل میں رہنے والے تمام عربوں نے صہیونیوں کی مسلط کردہ جنگ کی مخالفت کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے غزہ میں اپنے لوگوں پر جارحیت کی مخالفت کی تھی اور ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا تھا جب کہ یہودی نے ہماری مخالفت کی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ''سب سے شدید تر بے یارومددگاری کا احساس تھا کیونکہ ہم اسرائیلی فوج کے ہاتھوں اہل غزہ کے قتل عام پر کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے۔''

غزہ پر حملوں کے دوران اسرائیل میں رہنے والے فلسطینی عربوں اور مغربی کنارے اور غزہ میں رہنے والے فلسطینیوں کے درمیان روابط کا واضح فقدان نظر آیا ہے۔

مغربی کنارے کے شہر جنین میں العربیہ ٹی وی کے نمائندے عریب علی کا کہنا ہے کہ ''ہم مواصلاتی روابط نہ ہونے کی وجہ سے اسرائیل میں رہنے والے فلسطینیوں کے ساتھ مضبوط تعلقات استوار نہیں کرسکتے۔''

اسرائیل میں فلسطینیوں کی اکثریتی آبادی والے دیہات میں غزہ میں اسرائیلی جارحیت کے خلاف مظاہرے کئے گئے ہیں۔ الجلیل اور بقاع الغربیہ میں اسرائیل کے خلاف احتجاج ریلیوں میں ہزاروں افراد نے شرکت کی تھی اور بعض تجزیہ کاروں کے مطابق یہ اسرائیل میں اب تک سب سے بڑے مظاہرے تھے۔

(العربیہ ٹی وی)

دعوت

جائزہ

کا آئندہ موضوع

امریکہ، نئے صدارتی انتخابات کے بعد

امریکہ کی تاریخ میں پہلی بار ایک سیاہ فام کا صدر بننا ایک انہونی سے کم تصور نہیں کیا جارہا ہے۔ بارک حسین اوبامہ کو یہ ذمہ داری ایسے وقت میں ملی ہے جب امریکہ سخت اقتصادی بحران سے دوچار ہے۔ نیز سابقہ انتظامیہ کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے دنیا میں امریکہ کے تئیں زبردست نفرت پائی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں امریکہ کو درپیش اندرونی اور بیرونی چیلنجز کا مقابلہ کرنے میں اوبامہ کس حد تک کامیاب ہوں گے؟ بھارت امریکہ تعلقات پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ دہشت گردی مخالف مہم کو اوبامہ کس طرح آگے بڑھائیں گے۔ مسلم دنیا میں امریکہ کی شبیہ کو درست کرنے اور مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کے لئے ان کا کیا فارمولہ ہوگا؟ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات کا جواب ہم جائزے کے اس شمارے میں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔

۱۶/فروری ۲۰۰۹ء کو شائع هورهاهے

فکرِ معاصر

مسلمانوں کا احتجاج

دہشت گردی کے نام پر ہراساں کئے جانے سے پریشان اعظم گڑھ کے مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہوچکا ہے۔شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ اعظم گڑھ سے مسلمانوں کا جم غفیر ایک خصوصی ٹرین اعظم گڑھ ٹو ایل ۱۸ بٹلہ ہاؤس پر سوار ہوکر جنتر منتر پہنچا، جہاں علماء کونسل اُتر پردیش کے زیر اہتمام زبردست مظاہرے کئے گئے۔ اعظم گڑھ کے مسلمانوں کا ایل ۱۸ بٹلہ ہاؤس خصوصی ٹرین پر سوار ہوکر آنا اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ اب تک بٹلہ ہاؤس مبینہ انکاؤنٹر کے زخم کو شدت سے محسوس کررہے ہیں۔ اس لئے مظاہرین نے بٹلہ ہاؤس واقعہ کی عدالتی جانچ کا مطالبہ کرنے سمیت حکومت کو وارننگ دی کہ وہ مسلم دشمن پالیسیوں کو ترک کردے۔مظاہرین نے یہ بھی کہا کہ اگر حکومت نے خفیہ ایجنسیوں کو دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں کو ہراساں کرنے کی پالیسی ترک کرنے کی ہدایت نہیں دی۔تو ۲۰ کروڑ ہندوستانی مسلمان الگ تھلگ پڑجائیں گے۔ ان مظاہرے میں مختلف سیاسی اور سماجی تنظیموں نے حصہ لیا۔ اخیر میں مظاہرین نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ وہ کسی سیاسی پارٹی کی ترغیب پر جنتر منتر نہیں پہنچے ہیں۔ خدا کرے کہ معاملہ ایسا ہی ہو۔لیکن پھر بھی اگر یہ مظاہرہ انصاف مانگنے کے بجائے مسلمانوں کو کوئی سیاسی پیغام دینے کے لئے تھا تو بھی مظاہرین کا یہ جمہوری حق تھا کہ وہ مظاہرے کرتے۔لوک سبھا انتخابات کا وقت قریب آتا جارہا ہے۔ ایسے میں مسلم سیاسی اور سماجی پارٹیاں ایک بار پھر چند دنوں کے لئے سر اُبھارنے لگی ہیں۔ اس لئے مسلمان جب مظاہرہ کرتے ہیں تو یہ خوف پیدا ہوتا ہے کہ کہیں یہ وہی روایتی مظاہرے تو نہیں ہیں جن کے ذریعہ ۶۰ سال کے عرصہ میں مسلمانوں کے لئے ایک بھی مثبت تبدیلی پیدا نہیں کی جاسکی۔ اعظم گڑھ سمیت پورے ملک کے مسلمانوں کو یہ شکایت ہے کہ خفیہ ایجنسیاں مسلم نوجوانوں کو جھوٹے الزامات کے تحت سلاخوں کے پیچھے دھکیل رہی ہیں یا پھر مشتبہ حالات میں ان کا انکاؤنٹر کیا جارہا ہے۔ مسلمانوں کی یہ شکایت جائز بھی ہے اور حقیقت پر بھی مبنی ہے۔ ملک میں ہوئے متعدد بم دھماکوں کے نتیجہ میں اندھا دھند مسلم نوجوانوں کی گرفتاری ہوئی ہے۔ مکہ مسجد بم دھماکوں کے نتیجہ میں جن مسلم نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا تھا بالآخر عدالت نے انہیں بے قصور قرار دے کر باعزت بری کردیا ہے۔اب مکہ مسجد بم دھماکوں میں انتہا پسند ہندو تنظیموں کے نام سامنے آرہے ہیں۔ مالیگاؤں بم دھماکوں کی تفتیش نے پہلے ہی اس حقیقت کا انکشاف کردیا ہے۔ ایسی صورت حال میں اگر مسلمان اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ انہیں ناجائز طریقے سے ہراساں کیا جارہا ہے تو یہ غلط بھی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں واقعات اور ثبوت سے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں نے کبھی یہ سوچا ہے کہ کس طرح انتخابات قریب آتے ہی مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی پارٹیاں ان کا زخم چھیڑ کر اپنے مفادات کو پورا کرتی ہیں؟ اعظم گڑھ سمیت پورے ملک کے مسلمانوں کی شکایت غلط نہیں ہے لیکن وہ اپنی شکایت جس پلیٹ فارم کے ذریعہ کرتے ہیں وہ غلط ضرور ہے۔ اگر یہ پلیٹ فارم غلط نہ ہوتا تو کیا مسلمان آزادی کے اتنے عرصہ کے بعد بھی ستائے ہوئے ہوتے؟ کون نہیں چاہتا کہ بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر کا سچ ملک کے سامنے لایا جائے۔ اگر بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر درست ہوتا تو اس کی تفتیش میں حکومت کی نبض ڈھیلی کیوں پڑجاتی۔ حکومت تفتیش سے بچنے کی کوشش کرکے خود یہ شک پیدا کررہی ہے کہ انکاؤنٹر کی صداقت کے بارے میں اس کا دعویٰ جھوٹ کے پلندہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔لیکن کیا مظاہرہ کرنے والے مسلمانوں نے یہ سوچا ہے کہ بے قصور مسلم نوجوانوں کو ہراساں کئے جانے اور بٹلہ ہاؤس انکاؤنٹر کی تفتیش کئے جانے کا ان کا مطالبہ بھی اتنا ہی کمزور ہے جتنا کہ حکومت کے ذریعہ انکاؤنٹر کی صداقت کا دعویٰ۔ اعظم گڑھ کے مسلمانوں نے تقریباً ۱۸ لاکھ روپے جنتر منتر تک پہنچنے کے لئے خرچ کئے کیا۔ اس رقم کو متاثرین کی قانونی مدد کے لئے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ حکومت کا ضمیر چاہے مردہ ہوچکا ہے لیکن عدلیہ کا ضمیر تو زندہ ہے عام لوگ عدلیہ پر بھروسہ بھی کرتے ہیں۔ تو پھر مسلماوں نے عدالت کا سہارا کیوں نہیں لیا؟ (جدید خبر، نئی دہلی)

لیوان ریلیشن شپ خدا بیزار مادّیت کا نتیجہ

ایم شیزی، محلہ کلالان، نگینہ، بجنور (یوپی)

مہاراشٹر حکومت نے (Live in Ralationship) ''یعنی بنا شادی کئے شوہر بیوی کی طرح رہنا۔'' کو قانونی حیثیت دینے کی طرف جو عملی قدم بڑھایا ہے وہ قطعی غیر متوقع یا حیرت انگیز نہیں ہے، کیونکہ اس سے پہلے سپریم کورٹ نے اسی سلسلے میں اپنا تاریخی فیصلہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''لیوان ریلیشن شپ'' میں ساتھ ساتھ رہنے والے مرد و عورت سے پیدا اولاد کو ناجائز نہیں مانا جائے گا اور یہ اولاد باپ کی جائداد میں برابر کی دعویدار ہوگی۔ جب کہ دہلی ہائی کورٹ نے اسی تعلق سے مرد سے رشتہ قائم کرنے والی عورت کو نان ونفقہ کا حقدار قرار دیا تھا۔

مہاراشٹر حکومت نے مناسب اور خاص عرصے تک کسی مرد کے ساتھ ازدواجی رشتہ قائم کرنے والی عورت کو اس کی بیوی کا درجہ دینے کی تجویز کو قانونی حیثیت دینے کی منظوری، دراصل جسٹس ایس ملی متھ کی سربراہی میں تشکیل دی گئی کمیٹی کی سفارشات کی بنیاد پر دی ہے۔ مذکورہ کمیٹی نے عورت کے تحفظ کو یقینی بنانے کی غرض سے ''لیوان ریلیشن شپ'' کو انڈین پینل کوڈ (IPC) میں شامل کرنے کی بھی پرزور سفارش کی ہے، تاکہ ساتھ رہنے والی عورت کو نان ونفقہ کا قانونا حق حاصل ہوسکے۔ مرکزی یا صوبائی حکومتیں کسی جسٹس کی قیادت میں کمیٹی کی تشکیل کسی اہم معاملے کی تفتیش یا کسی بنیادی اور اہم مسئلے کا مناسب حل تلاش کرنے کے لئے ہی کرتی ہیں تاکہ متعلقہ کمیٹی کی آراء اور سفارشات کی روشنی میں اس کا حل تلاش کیا جاسکے۔ جسٹس ملی متھ کی قیادت میں تشکیل پانے والی کمیٹی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ کیونکہ جدیدیت اور مادیت (Modernism and Materialism) کی غلام ذہنیت والے کچھ افراد نے ہمارے ملک میں اس کی ابتداء ساٹھ کی دہائی میں ہی کردی تھی۔ لیکن اس وقت ان کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے یہ سماجی مسئلہ نہیں بن سکتی تھی، تاہم پچاس سالوں میں بھارت نے بہت ''ترقی'' کرلی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں نوکری کرنے والے لڑکے لڑکیاں بنا شادی کئے ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور یہی تباہ کن رجحان اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلباء وطالبات میں بھی شدت اختیار کرتا جارہا ہے۔ لہٰذا اب وہ مطالبہ کرنے لگے ہیں کہ ''لیوان ریلیشن شپ'' کو قانونی درجہ دیا جائے۔ اس کے لئے مذکورہ تشکیل کردہ کمیٹی نے قانون میں مناسب ترامیم اور تجاویز پیش کرنے کے لئے ملک کی تمام صوبائی حکومتوں سے اُن کے خیالات جاننے کے لئے تجاویز طلب کیں۔ جس کے تحت مہاراشٹر حکومت نے سب سے پہلے اپنی کابینہ سے اس کے حق میں تجاویز پاس کرکے مرکزی حکومت کو پیش کردیں تاکہ مرکزی حکومت کرمنل پروسیزر کوڈ (CRPC) کی دفعہ ۱۲۵ میں ترمیم کرکے ''لیوان ریلیشن شپ'' کو قانونی حیثیت کی رضا مندی دے دے۔

شادی کے اس مذہبی، سماجی اور اخلاقی مقدس بندھن کے خلاف اٹھنے والی اس بغاوت کی آواز اور اس کی حمایت میں مرکزی وصوبائی حکومتوں کے بڑھنے والے قدموں سے بھی شرمناک اور قبیح مرکزی کابینہ کے وزیر صحت (رام داس) کا وہ ناپاک اور مذموم بیان ہے جس میں انہوں نے علی الاعلان ہم جنسی (Homo sexuality) کی پرزور حمایت کرتے ہوئے اسے قانونی اور سماجی حیثیت دینے کا مطالبہ کیا ہے، جس میں سماج کے کچھ شیطان صفت اور مفلوج ذہنیت کے مخصوص طبقات اور لوگوں کی جانب سے اس کا پرزور خیر مقدم بھی کیا گیا ہے۔ ان تمام حالات وواقعات کے پیش نظر یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہوچکی ہے کہ ''لیوان ریلیشن شپ'' کی حمایت کے لئے حکومت اور سماج کا بڑا طبقہ ذہنی طور پر آمادہ ہے۔ جب کہ (Homo sexuality) کو قبول کرنے اور اس کی حمایت کی آمادگی میں متذبذب اور خلفشار کا شکار ہے۔ ایسا نہیں کہ سماج میں اس کو تسلیم نہ کیا جارہا ہو، سماج میں اس کو وسیع پیمانے پر نہ سہی، کم پیمانے پر تسلیم بھی کیا جارہا ہے اور اس کو فروغ بھی حاصل ہورہا ہے۔ مرکزی وزیر صحت اور اُن کے پرزور حامیوں کے علاوہ سماج میں (Homo sexuality) کے واقعات اکثر وبیشتر اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں، جو اس رجحان کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ (Homo sexuality) کو قانونی اور سماجی طور پر تسلیم کئے جانے کی متذبذب اور ذہنی خلفشار کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارا ملک ترقی کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ ترقی کو برقرار رکھنے کے لئے ''لیوان ریلیشن شپ'' کو تسلیم کرنا اور قانونی تحفظ دلانا ناگزیر مجبوری ہے، لیکن (Homo sexuality) کو قانونی دائرے میں لانے کے لئے ''ترقی یافتہ'' ہونا ضروری ہے، اس لئے بس تھوڑا انتظار کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ جس تیزی سے بھارت ''ترقی'' کے راستے پر گامزن ہے، بہت جلد جدیدیت اور مادّیت پر مبنی مغربی ''روشن تہذیب'' کا عملی نمونہ بن جائے گا۔

اب سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ ہمارا ملک جس میں مختلف مذاہب، نظریات وعقائد کے پیروکار مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے علمبردار، مختلف رسم ورواجوں کو ماننے والے رہتے ہیں جن کی مختلف مذہبی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار ہیں، مختلف شناخت ہیں، کیا اس پروان چڑھنے والی حیوانی تہذیب کو اپنانے کے لئے تیار ہیں؟ ہر مذہب میں مختلف قسم کے انفرادی سماجی بندھن ہوتے ہیں، جو اپنے پیروکاروں کو کسی نہ کسی طور سے ان سے وابستہ رکھتے ہیں۔ شادی بھی ایک مقدس سماجی بندھن ہے، ہر مذہب وعقائد کے پیروکار اپنے اپنے مذہبی ضابطوں اور رسم ورواج کے مطابق اس مقدس فریضے کو انجام دیتے ہیں، جس سے سماج کے ہر طبقے میں اس کو ایک قانونی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ شادی مذہب اور سماجی طریقوں کے مطابق انجام پاتی ہے، اس لئے اس کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ محبت کے جوش وجنون میں سماج سے بغاوت کرکے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے والے جوڑے کو بھی سماج تبھی قبول کرتا ہے جب اس نے مذہبی طور طریقوں کو اپنایا ہو، بھلے ہی عدالت نے اسے تسلیم کرلیا ہو، جج کے سامنے کھڑے ہوکر شوہر بیوی ہونے کا کیا گیا قول وقرار قانون کی نظر میں تو درست ہوسکتا ہے، لیکن بغیر مذہبی رسوم انجام دیئے ایسے رشتوں کو ہمارے سماج میں قبول نہیں کیا جاتا۔ خواہ وہ جوڑے اپنے مذہب پر پوری طرح کاربند ہوں یا نہ ہوں۔

ایک طرف ہمارے سماجی مزاج کے وہ حقائق ہیں جن کا کوئی بھی صاحب فہم وشعور شخص انکار نہیں کرسکتا اور دوسری طرف قانونی حیثیت ملنے کے قریب پہنچنے والے ''لیوان ریلیشن شپ'' کا یہ غیر مذہبی، غیر سماجی اور غیر اخلاقی پہلو۔ اب سوال یہ ہے کہ اس ناجائز ازدواجی تعلق کو کابینہ کی جانب سے قانونی حیثیت ملنے کے بعد بھی کیا موجودہ سماج شوہر وبیوی کے طور پر قبول کرے گا؟ کیا اس طرح پیدا ہونے والی ناجائز اولاد سے جن کے حقیقی باپ کا پتہ اور ٹھکانہ معلوم نہ ہو اپنی اولاد کا شادی جیسا مقدس فریضہ انجام دینے کے لئے تیار ہوں گے؟ جہاں سماجی رسوم کو مذہبی درجے کی سند حاصل ہو اس سماج کے لوگ تمام مذہبی، سماجی واخلاقی اقدار سے بغاوت کرنے والے ملحد اور منکر لوگوں کو کیسے اور کیوں کر قبول کرسکیں گے؟ اس سے بڑا سوال ملک اور سماج کے مستقبل کا ہے۔ یہ بات قطعی طور پر واضح ہے کہ ''لیوان ریلیشن شپ'' میں یقین رکھنے والے اس سے اپنی شہوانی اور نفسانی اغراض پوری کرنے والے مرد وزن گھریلو ذمہ داریاں قبول کرنے کے لئے ذہنی وجسمانی طور پر تیار نہیں ہوتے۔ بچے پیدا کرنے میں ان کا یقین بالکل نہیں ہوتا۔ اس لئے نہیں کہ انہیں بچے اچھے نہیں لگتے، بلکہ اس لئے کہ بچوں کی پرورش ایک ذمہ داری سے بھرپور عمل ہے، نتیجتاً بچے پیدا ہونے کا عمل رُکے گا اور تمام رکاوٹوں کے باوجود اگر بچے پیدا بھی ہوں گے تو یقیناً وہ اَن چاہے بچے ہوں گے۔ دونوں کے لئے ایک بوجھ کے مانند ہوں گے۔ اُن کی آزادی اور خلوتوں میں مزاحم ہوں گے۔ کیا ایسی اَن چاہی اور ماں باپ پر بنی بوجھ نما اولاد ماں کی حقیقی محبت اور باپ کی بے لوث شفقت پاسکے گی؟ کیا ان کا معصوم بچپن، اٹھلاتا لڑکپن، محرومیوں، مایوسیوں اور حسرتوں کی تصویر نہیں بن جائے گا؟ مختلف احساسات کے مارے اس تن تنہا بچے کی ذہنی، جسمانی اور روحانی قوتیں فطری حالات وماحول میں پرورش اور تربیت پانے والے بچے کی طرح نشوونما پاسکیں گی؟ کیا ایسے بچے کسی عظیم یا تعمیری کام کے متحمل ہوسکیں گے؟ ہرگز نہیں!! کسی بھی طرح نہیں۔ بچے ہی ملک وقوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ ان حالات میں اپنے ملک وقوم کے مستقبل کا اندازہ ہر آدمی کرسکتا ہے۔

مغربی ممالک میں جدیدیت کے خوفناک نتائج رونما ہوچکے ہیں۔ مغربی معاشرہ روحانی اور اخلاقی طور پر تباہ وبرباد ہوچکا ہے۔ لوگوں کے اندر مایوسی اور قنوطیت بڑھتی جارہی ہے جس کی وجہ سے وہاں خودکشی کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ خاندانی نظام درہم برہم ہوچکا ہے۔ جنسی بے راہ روی ایک عام بات ہے۔ خواتین اور بچوں کے خلاف جنسی زیادتیاں روزانہ کا معمول بن چکی ہیں۔ انسانی حقوق کی پامالی عام بات ہے۔ بین الاقوامی قوانین وضابطوں کی خلاف ورزی جب کہ اپنے عوام کے لئے ظالمانہ قوانین کا نفاذ کیا جارہا ہے۔ کمزور ممالک پر طاقتور ممالک کی چیرہ دستی اور عالمی استعمار کا خونی پنجہ کستا جارہا ہے۔ وہاں کے قدرتی وسائل اندھادھند نکال کر معیشت کو تباہ اور ماحولیاتی بحران میں اضافہ کیا جارہا ہے۔ معاشرتی طور پر خاندان نام کی شئے برائے نام ہی نظر آتی ہے۔ جنسی انارکی کا یہ عالم ہے کہ بچوں کو اپنے ماں باپ کا پتہ نہیں۔ مغربی ممالک میں بنا شادی کئے رہنا عام بات ہے اور وہاں کے معاشرے میں کوئی معیوب بات نہیں سمجھی جاتی۔ ان ''مہذب'' اور ''ترقی یافتہ'' ممالک کی اخلاقی حالت اور جنسی بے راہ روی کا اندازہ اس جائزے سے لگایا جاسکتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ڈنمارک، ناروے اور سویڈن میں پچاس فیصد، برطانیہ میں پچیس فیصد، آسٹریا میں پچیس فیصد فن لینڈ میں اکیس فیصد بچے غیر شادی شدہ جوڑوں کی پیداوار ہیں۔ جب کہ آسٹریلیا میں بائیس فیصد، میکسیکو اور نیوزی لینڈ میں انیس فیصد، فرانس میں گیارہ فیصد، کناڈا میں سولہ فیصد مرد وعورت ''لیوان ریلیشن شپ'' کے ساتھ ناجائز ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں۔ رشتوں کی تقدیس پامال اور احترام ختم ہوچکا ہے۔ خودغرضی اور مفاد پرستی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔

اللہ کے وجود کی منکر جدیدیت پر مبنی مغربی تہذیب کے اپنے ہی ملکوں میں تباہ کن اثرات واضح طور سے سامنے آنے کے باوجود ہمارے ملک کی مرکزی وصوبائی حکومتیں اس خوفناک وبائی یلغار کو روکنے کی کوشش تو کیا کرتیں اُلٹے اس کی مربی، محافظ اور پاسبان بننے کی کوششوں میں اپنی تمام تر توانائیوں اور ذرائع کے ساتھ پورے خلوص نیت اور عزم مصمم سے عملی نفاذ کے لئے کوشاں ہیں۔ جنسی تعلیم کی لازمیت (M.N.C.'S) اور ملٹی نیشنل کمپنیز اور اسپیشل اکنامک (S.E.Z.) زونوں کا قیام، ٹکنالوجی، لٹریچر، اسپورٹس، آرٹ، میڈیا غرض کہ تمام میدان مغربی ثقافت کے لئے خالی کردیے ہیں۔

تمام تر شعبۂ حیات میں مغربی انداز اور فکر نمایاں طور پر محسوس کی جاسکتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں طرز حیات ہی نہیں بدلا بلکہ فکر وخیالات بھی تبدیل ہوگئے۔ مشرقی تہذیب کا گہوارہ بھارت، مغربی تہذیب وثقافت کا عملی نمونہ بن کر اُبھر رہا ہے۔ ''لیوان ریلیشن شپ'' (Homo sexuality) اور جنسی آزادی (Free sex) کے مطالبات اسی ملحدانہ فکری رجحانات کا نتیجہ ہیں، جو مذہبی بغاوت کی شکل میں سامنے آیا ہے، جس کے مضمرات، اثرات بد، تباہ کاریاں اظہر من الشمس ہیں۔

اگر ہمیں مغرب کی وحشی، ثقافتی یلغار (Best cultre Invasion) سے اپنے ملک وقوم اور مستقبل کو محفوظ ومامون رکھنا ہے تو مذہب وملت، نظریات وعقائد، ذات وطبقات کی تمام تفریق کو مٹا کر مشترکہ طور پر اور متحد ہوکر جدوجہد کرنی ہوگی۔ تاکہ بلند ہونے سے قبل ہی ایسے ناپاک مطالبات کی آواز کو ہمیشہ کے لئے بند کیا جاسکے۔ یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے، بھارت میں ایسی بہت سے مثالیں ہیں، جب عوامی اور سماجی احتجاج کے آگے حکومتوں کو اپنے فیصلے واپس لینے پڑے۔ ۱۹۲۰ء میں Gargill Ceeds کے خلاف کرناٹک کے کسانوں کی تحریک، گوا میں Not to du porit تحریک جس میں مقامی عوام نے فائدے میں استعمال ہونے والے Nylon 6.6 کی پیداوار کے لئے قائم کئے جانے والے پیٹنٹ کے خلاف احتجاج کیا۔ مہاراشٹر میں ۱۹۹۲ء میں امریکہ کی بجلی کمپنی Enron مخالف تحریک صنعتی فضلات سے بھرے فرانسیسی جہاز کلیمنشو کے خلاف گرین پیس نامی تحریک، کیرل کو دو حصوں میں بانٹنے والی شاہراہ کی مخالفت میں برپا ہونے والا عوامی احتجاج اور حال ہی میں جنسی تعلیم کو لازم کئے جانے کے خلاف ہونے والے عوامی احتجاج کی بنا پر بہت سی صوبائی حکومتوں کو اپنے فیصلے واپس لینے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ عوامی اتحاد اور اتفاق کے آگے حکومتوں کو اپنے فیصلے بدلنے ہی پڑتے ہیں۔ اگر اپنے گھر اور خاندان کو تقدیس کو بحال رکھنا اور اس کو منتشر اور تباہ ہونے سے بچانا ہے اور اپنے معاشرے کو پامال اور برباد ہونے سے محفوظ رکھنا ہے، ملک وقوم غیر ملکی ثقافتی یلغار سے پاک وصاف کرنا ہے تو تمام مذاہب کے لوگوں کو اپنے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہوکر اپنی تہذیب وثقافت کو اختیار کرتے ہوئے متحد اور متفق ہوکر اس کے خلاف سخت احتجاج کرنا ہی ہوگا تاکہ مغرب کی ذہنی غلامی میں مبتلا لوگوں کے شرمناک مطالبات پورا ہونے کا خواب بدنگران کی سفلی اور مذموم خواہشات کو چکنا چور کردے۔

●●

نئے امریکی صدر کی ٹیم میں کوئی بھی مسلمان نہیں

عارف عزیز پنہور

بالآخر باراک حسین اوباما نے نئی تاریخ رقم کردی اور امریکہ کے پہلے سیاہ فام صدر کے طور پر زمام اقتدار سنبھال لی۔ ان کا ایک امتحان ختم ہوا جو کہ صدارتی انتخاب کا تھا لیکن اب انہیں کئی کڑی آزمائشوں کا سامنا ہے اور تاریخ میں ان کے حتمی مقام کا تعین بھی اسی بات پر منحصر ہے کہ وہ ان امتحانوں میں سرخرو ہوپاتے ہیں یا نہیں۔ انتخابی کامیابی حاصل کرنے کے بعد اوباما کو جس پہلے امتحان کا سامنا کرنا پڑا، وہ اپنی کابینہ اور مشاورتی ٹیم کی تشکیل کا تھا۔ یہ دراصل امریکہ کے نئے پالیسی سازوں کا انتخاب تھا، جن کے اقدامات پوری دنیا پر اثر انداز ہوں گے۔ صدر باراک حسین اوباما کو وزراء اور دیگر اہم عہدیداروں کا چناؤ کرتے ہوئے ان کی قابلیت وصلاحیت اور تجربے کے علاوہ اس بات کا بھی دھیان رکھنا تھا کہ ان کے منتخب کردہ شخص کے ماضی اور کردار پر کسی جانب سے انگلی نہ اٹھائی جاسکے کیونکہ کسی ٹھوس اعتراض کی صورت میں سینیٹ سے اس نامزدگی کی توثیق کرانا دردسر بن جاتا ہے۔ واضح رہے کہ امریکی آئین کے تحت تمام وزراء کے ناموں کی سینیٹ سے توثیق کرانا لازمی ہے۔ بہرحال اس مرحلے پر صدر اوباما کے قابل اعتماد مشیروں پر مشتمل ''ٹرانزیشن ٹیم'' نے ان کی بھرپور معاونت کی اور ایک ایسی کابینہ تشکیل دی گئی، جس کے بارے میں یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ آئیڈیل ہے لیکن بالعموم نئے صدر کے حسن انتخاب کو سراہا گیا ہے، یہاں تک کہ بش دور کے قدامت پسند نائب صدر ڈک چینی نے بھی باراک اوباما کی منتخب کردہ ٹیم کا خیر مقدم کیا، تاہم کچھ ناموں پر اعتراضات بھی کئے گئے ہیں۔

صدر باراک حسین اوباما کی منتخب کردہ کابینہ کو پہلا دھچکا اس وقت لگا، جب ۴رجنوری ۲۰۰۹ء کو نامزد وزیر تجارت بل رچرڈسن نے اپنا نام واپس لینے کا اعلان کردیا۔ اس پر کرپشن کے ایک مقدمے میں ملوث ہونے کا الزام ہے، جس کی تفتیش ابھی چل رہی ہے۔ بل رچرڈسن ریاست نیومیکسیکو کے گورنر ہیں۔ صدر اوباما نے تادم تحریر اس عہدے کے لئے کسی متبادل نام کا اعلان نہیں کیا۔ بہت سے لوگوں کو اس بات پر بھی مایوسی ہوئی کہ نئے صدر نے اپنی کابینہ کی تشکیل میں ڈیموکریٹک پارٹی کے سینئر رہنما اور نوبل انعام یافتہ سابق نائب صدر ال گور کے علاوہ سینیٹ کی خارجہ تعلقات کمیٹی کے چیئرمین اور سابق صدارتی امیدوار جان کیری کو بھی نظر انداز کردیا۔ سینیٹر جان کیری نے باراک حسین اوباما کی انتخابی مہم کے دوران ان کی حمایت میں کافی سرگرمی دکھائی تھی۔ ان کے مقابلے میں نئے صدر نے سینیٹر ہلیری کلنٹن کو وزیر خارجہ کے طور پر اپنی کابینہ میں شامل کرنا پسند کیا، جو ڈیموکریٹک پارٹی کی طرف سے صدارتی امیدوار کے طور پر نامزدگی حاصل کرنے کی دوڑ میں باراک اوباما کی سخت جان حریف ثابت ہوئی تھیں اور انتخابات مہم کے دوران انہوں نے اوباما کی بہت سی پالیسیوں کو کڑی نکتہ چینی کا نشانہ بنایا تھا۔ بہت سے مبصرین کا خیال ہے کہ صدر اوباما دراصل ہلیری کلنٹن کی وساطت سے سابق صدر بل کلنٹن کی مشاورتی خدمات سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں، جن کے دور کی خارجہ پالیسی سے وہ کافی متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی مشاورتی ٹیم میں کلنٹن دور کے کئی اہم عہدیداروں کو بھی شامل کیا ہے۔ جس کے باعث ناقدین اوباما کی کابینہ کو کلنٹن کابینہ کی پرچھائیں قرار دینے لگے ہیں۔

نئے امریکی صدر نے حریف جماعت ری پبلکن پارٹی سے تعلق رکھنے والے اپنے پیش رو جارج ڈبلیو بش کے وزیر دفاع رابرٹ گیٹس کو اس عہدے پر برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ بھی عراق کے حوالے سے امریکی پالیسی میں اہم تبدیلیاں لانے کے صدر اوباما کے عزم سے بظاہر متصادم دکھائی دیتا ہے۔ رابرٹ گیٹس کو عراق پر امریکی حملے کے زبردست حامیوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ صدر باراک حسین اوباما کے انتہائی معتقد مشیروں میں ایسے کئی افراد بھی شامل ہیں۔ جنہیں یہودی لابی کا کل پرزہ سمجھا جاتا ہے۔ ان میں وائٹ ہاؤس کے سینئر مشیر ڈیوڈ ایکسلراڈ، وائٹ ہاؤس کے چیف آف اسٹاف راہم ایمانوئیل اور وائٹ ہاؤس کے ''آفس مینجمنٹ اینڈ بجٹ'' کے ڈائریکٹر پیٹر اورسزیگ شامل ہیں۔ ڈیوڈ ایکسلراڈ کو باراک اوباما کی انتخابی مہم کا معمار اعلیٰ سمجھا جاتا تھا۔ دوسری طرف نئی کابینہ اور امریکی صدر کی مشاورتی ٹیم میں کسی مسلمان کو شامل نہیں کیا گیا۔ یاد رہے کہ سابق صدر جارج ڈبلیو بش کے دور میں جب افغان نژاد سفارت کار زلمے خلیل زاد کو اقوام متحدہ میں امریکی سفیر مقرر کیا گیا تو امریکہ کی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ جب کسی مسلمان کو کابینہ میں شامل کیا گیا۔ قارئین کو بتاتے چلیں کہ اقوام متحدہ میں خدمات انجام دینے والے امریکی سفیر کا مرتبہ وزیر کے برابر ہوتا ہے اور وہ کابینہ میں شامل ہوتا ہے۔

امریکی صدر کے نامزد کردہ وزراء اور دیگر اہم عہدیداروں کے ناموں کی سینیٹ سے توثیق کرانا لازمی ہے۔ اگر ایوان بالا کسی نامزدگی کی توثیق نہ کرے تو اسے منسوخ کردیا جاتا ہے۔ سینیٹ کے ارکان خوب چھان پھٹک کرنے کے بعد کسی بھی نامزدگی کی توثیق کرتے ہیں، اس موقع پر خاص طور سے مخالف سیاسی جماعت سے تعلق رکھنے والے ارکان سینیٹ اعتراضات بھی کرسکتے ہیں۔ تادم تحریر امریکی سینیٹ، صدر اوباما کی کابینہ کے آٹھ ارکان کے ناموں کی توثیق کرچکی تھی جب کہ دیگر ناموں کے سلسلے میں ضابطے کی کارروائی جاری تھی۔ جن ارکان کی نامزدگی کی توثیق ہوچکی ہے، ان میں وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن، وزیر توانائی اسٹیون چو، وزیر زراعت ٹام ولسیک، وزیر برائے ہوم لینڈ سیکورٹی جینیٹ نیپو لیتانو، وزیر داخلہ کین سیلازار، وزیر برائے ویٹرنز افیئرز اریک شنیسکی، وزیر تعلیم ارنی ڈنکن اور وائٹ ہاؤس کے بجٹ آفس کے ڈائریکٹر پیٹر اورسزیگ شامل ہیں۔

اگلے چار برس کے دوران صدر باراک حسین اوباما کو اہم فیصلے کرنے میں جن افراد کی معاونت حاصل ہوگی ان میں سرفہرست نائب صدر جوزف بائیڈن ہیں۔ جوزف بائیڈن طویل عرصے تک امریکی سینیٹ کے رکن رہے ہیں اور انہیں خارجہ امور کا ماہر سمجھا جاتا ہے۔ وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن سابق ڈیموکریٹ صدر بل کلنٹن کی اہلیہ ہیں۔ سیاست میں آنے سے پہلے وہ وکالت کے شعبہ سے وابستہ تھیں اور انہیں امریکہ کے چوٹی کے ۱۰۰ وکلاء میں شمار کیا جاتا تھا۔ صدارتی انتخاب کے لئے ڈیموکریٹک پارٹی کی نامزدگی حاصل کرنے کی جنگ میں انہوں نے اوباما کو ناکوں چنے چبوادئے تھے۔ اب ان کے وسیع تجربے سے استفادے کے لئے صدر اوباما نے انہیں وزیر خارجہ نامزد کیا ہے۔ اوباما کے دور حکومت میں ہلیری کلنٹن کا کردار بہت اہم ہوگا کیونکہ عام طور پر ڈیموکریٹک صدور خارجہ امور کے معاملات میں اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ سے زیادہ کام لیتے ہیں جب کہ ری پبلکن صدور بالعموم پنٹاگن کو فوقیت دیتے ہیں۔ ۶۵ سالہ وزیر دفاع رابرٹ گیٹس بش انتظامیہ کے ورثے کے طور پر نئی حکومت میں بھی شامل رہیں گے۔ وہ امریکی سی آئی اے کے سربراہ بھی رہے ہیں۔ انہیں ۲۰۰۶ء میں صدر جارج ڈبلیو بش نے وزیر دفاع مقرر کیا تھا۔ مبصرین کے مطابق عراق کے مسئلے پر صدر اوباما اور رابرٹ گیٹس کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ تاہم افغانستان اور پاکستان کے حوالے سے دونوں یکساں نظریات رکھتے ہیں۔

صدر باراک حسین اوباما نے فیڈرل ریزروبینک کے سربراہ ٹموتھی گائنز کو نیا وزیر خزانہ مقرر کیا ہے اور انہیں کساد بازاری کی شکار اور ڈوبتی ہوئی امریکی معیشت کو سہارا دینے کو بھاری ذمہ داری سونپی گئی ہے جو امریکہ کے معاشی نظام میں بنیادی اصلاحات کرنے کے متمنی ہیں۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتاسکے گا کہ وہ اپنے عزائم میں کس حد تک کامیاب ہوتے ہیں اور ان کے نتائج کیا نکلتے ہیں۔ ٹام ڈیشلے کو نئی حکومت میں وزیر صحت مقرر کیا گیا ہے۔ وہ ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۳ء تک سینیٹ میں اکثریتی جماعت ڈیموکریٹک پارٹی کے قائد کے طور پر خدمات انجام دے چکے ہیں۔ انہیں صحت کے شعبے میں انقلابی اصلاحات لانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ صدر اوباما کے نامزد کردہ اٹارنی جنرل ایرک ہولڈر سابق صدر بل کلنٹن کے دور میں بھی اہم عہدے پر فائز رہے تھے۔ وہ گوانتاناموبے کے امریکی قید خانہ کے خلاف آواز بلند کرتے رہے ہیں۔ ۵۷ سالہ ہولڈر، باراک اوباما کی انتخابات مہم کے قانونی مشیر کے طور پر بھی خدمات انجام دیتے رہے، شاید اسی وجہ سے انہیں سینیٹ سے اپنی نامزدگی کی توثیق کرانے کے سلسلے میں ری پبلکن ارکان کی مخالفت کا سامنا ہے۔ اگر سینیٹ نے ان کی نامزدگی کی توثیق کردی تو وہ اٹارنی جنرل کے عہدے پر فائز ہونے والے پہلے سیاہ فام امریکی ہوں گے۔

ریاست ایریزونا کی گورنر جینیٹ نیپو لیتانو کو ہوم لینڈ سیکورٹی کی وزیر نامزد کیا گیا ہے۔ یہ محکمہ امریکہ کی داخلی سلامتی کے امور کا ذمہ دار ہے۔ یہ نسبتاً نیا محکمہ ہے جو ''نائن الیون'' کے واقعات کے بعد قائم کیا گیا تھا۔ جینیٹ نیپو لیتانو امیگریشن کے امور کا وسیع تجربہ رکھتی ہیں۔ قارئین کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ صدر اوباما نے اپنی کابینہ میں ایک ایسے سائنسداں کو بھی شامل کیا ہے، جو نہ صرف فزکس میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا حامل ہے بلکہ طبعیات کا نوبل انعام بھی حاصل کرچکا ہے۔ ڈاکٹر اسٹیون چو کو امریکہ کا وزیر توانائی مقرر کیا گیا ہے۔ انہوں نے عالمی تپش کے مسئلے سے نمٹنے کے حوالے سے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انہیں ۱۹۹۷ء میں طبعیات کے شعبے میں مشترکہ نوبل انعام کا حقدار ٹھہرایا گیا تھا۔ شکاگو پبلک اسکولز سسٹم کے انچارج کے طور پر اچھی ساکھ بنانے والے ماہر تعلیم ارنی ڈنکن کو وزارت تعلیم کا قلمدان سونپا گیا ہے۔ صدر اوباما نے توقع ظاہر کی ہے کہ اپنے وسیع تجربے کی مدد سے وہ امریکہ کے تعلیمی نظام کو مزید بہتر بناسکیں گے۔ ہسپانوی نژاد کین سیلازار کو نئی حکومت کا وزیر داخلہ نامزد کیا گیا ہے۔ وہ ریاست کولوراڈو کے سینیٹر رہ چکے ہیں۔ ان کی نامزدگی کا خاص طور پر ہسپانوی نژاد امریکیوں نے زبردست خیر مقدم کیا ہے۔ زراعت کے حوالے سے مشہور امریکی ریاست Iowa کے سابق گورنر

باقی صفحہ ۸ پر

شریعت اسلامی کی رو سے یوگا کے چند منفی پہلو

دارالافتاء، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، مہاراشٹر

اسلام ایک فطری، طبعی، نظری۔ اورکامل دین ہے، اس نے اپنے احکام میں اپنے ماننے والوں کی تمام ضرورتوں اور حاجتوں کا خیال رکھا ہے، اسی لئے اس نے ہراس چیز کو جائز قرار دیا جس میں انسان کے لئے دنیوی راحت اور اخروی سعادت ہے، اور ہر اس چیز سے منع کیا جو اس کے لئے دنیا میں تکلیف اور آخرت میں ناکامی ونامرادی اور خدائی ناراضگی کا باعث ہوسکتی ہے، صحت وتندرستی شرعاً مطلوب ہے، اس لئے اس کی خاطر ریاضت وورزش بھی مطلوب ہے، کیوں کہ صحت وتندرستی کا ایک ذریعہ ورزش جسمانی بھی ہے، اور فقہ کا قاعدہ ہے: ''جو احکام مقاصد کے ہوتے ہیں وہی احکام وسائل وذرائع کے بھی ہوتے ہیں''۔

"وسیلة المقصود تابعة للمقصود وکلاهما مقصود"۔(اعلام الموقعین:۳/۱۷۵) لیکن مقاصد حسنہ کی تحصیل کیلئے وہی ذرائع اور وسائل اختیار کئے جاسکتے ہیں جو شرعاً مباح ہوں، اس لئے صحت وتندرستی کی تحصیل کیلئے بھی وہی ورزشیں اور ریاضتیں جائز ہوں گی جو شرعاً مباح ہوں۔

آج کل ایک ورزش جسے ہم ''یوگا'' کے نام سے جانتے ہیں، بہت عام ہورہی ہے، جب کہ اس کی حقیقت کو جاننے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقائد اسلام، تعلیماتِ اسلام کے سراسر خلاف اور متصادم ہے، مثلاً:

(۱) جیسے یوگیوں کا یہ عقیدہ کہ یوگا سے صحت وتندرستی حاصل ہوتی ہے یہ اسلامی عقیدے کے سراسر منافی ہے، کیوں کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ صحت وتندرستی اللہ کا عطیہ ہے، اور ہر بیماری سے شفا دینے والی ذات اللہ کی ہے نہ کہ یوگا۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم کی زبانی کہلایا گیا ہے ''جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا عطا فرماتا ہے'' (الشعراء:۸۰) نیز شریعت ہمیں اپنی دعاؤں میں بھی اس کی تعلیم دیتی ہے، جیسے: ''اے تمام انسانوں کے رب بیماری کو دُور فرما شفا عطا فرما کہ تو ہی شفا عطا فرمانے والا ہے۔ شفا صرف تیرے ہی فضل سے ہوتی ہے کسی بھی بیماری کو نہ چھوڑ''۔ (سنن النسائی:۴/۲۵۸، رقم الحدیث:۷۵۰۸)

شریعتِ مطہرہ نے شفاء کے جو طریقے بیان کیے ہیں وہ دو طرح کے ہیں: عقلی ونقلی، نقلی طریقے، مثلاً: قرآن کی آیات، اسمائے الٰہیہ وغیرہ پڑھ کر دم کرنا، دعاء کرنا، آب زم زم شفاء کی نیت سے پینا، شہد استعمال کرنا، کلونجی کا استعمال، پچھنا لگوانا، روزہ رکھنا وغیرہ۔

عقلی طریقے، مثلاً: وہ طریقے جو ماہرینِ طب دواؤں اور جڑی بوٹیوں پر تجربہ کر کے بیان کرتے ہیں، مگر ہر صورت میں مسلمان کا یہ اعتقاد ہوگا کہ مؤثر بالذات ومؤثر حقیقی صرف اور صرف اللہ ہی ہے، یہ تمام چیزیں مؤثر حقیقی نہیں ہیں۔

(۲) یوگی کہتے ہیں کہ یوگا کرنا حصول سعادت اور اس کا ترک شقاوت کا ذریعہ ہے، یہ بھی عقیدۂ اسلام کے خلاف ہے، کیوں کہ سعادت وشقاوت مقدر من اللہ ہے، سعادت نہ یوگا سے حاصل ہوتی ہے، اور نہ ہی ترک یوگا موجب شقاوت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''شقی اپنی ماں کے بطن میں ہی شقی قرار دے دیا جاتا ہے اور سعید ونیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت ونصیحت حاصل کرے'' (السنن الکبری بیہقی:۷/ ۶۹۲، رقم الحدیث:۱۵۴۲۴)

(۳) یوگیوں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ یوگا سے عمر میں زیادتی ہوتی ہے۔ عمر بڑھتی ہے، ان کا یہ عقیدہ بھی اسلامی عقائد کے سراسر خلاف ہے۔ کیوں کہ عمر مقدر من اللہ ہے نہ اس میں کمی ہوسکتی ہے اور نہ بیشی (زیادتی) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا، اور نہ گھٹتی ہے کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں۔'' (فاطر:۱۱)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو طویل عمر عطاء فرماتا ہے۔ وہ پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، اسی طرح جس کی عمر کم رکھی جاتی ہے وہ بھی سب لوح محفوظ میں پہلے ہی درج ہے، کسی کو عمر طویل دی جاتی ہے کسی کو کم۔ امام نسائی اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس بن مالکؓ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جو چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت حاصل ہو اسے چاہئے کہ فرض نماز کی پابندی کرے اور زیادہ سے زیادہ نفل نمازیں پڑھے اللہ اس پر اپنا فضل ورحم فرمائے گا۔''

(۴) اسی طرح یوگیوں کا یہ بھی خیال ہے کہ یوگا سے روحانی صفائی (تزکیۂ نفوس) حاصل ہوتی ہے، جب کہ روحانی صفائی اور تزکیۂ نفس کے لئے وہی طریقہ معتبر ہے جو شریعت نے ہمیں بتلایا ہے، وہ یہ کہ جس طرح جسم کی غذا روٹی پانی وغیرہ ہیں، ایسے ہی روح کی غذا ذکر اللہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا'' (البقرۃ:۱۵۲) ذکر کے اصلی معنی یاد کرنے کے ہیں، اور ذکر کا نتیجہ ہے: ''ذکر اللہ سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے'' (الرعد:۲۸) اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''صبر اور نماز کے ذریعہ مدد طلب کرو۔'' (البقرۃ:۱۵۳)

آیتِ کریمہ میں استعینوا عام ہے، یعنی صبر اور نماز یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے انسان کی ہر ضرورت میں مدد حاصل کی جاسکتی ہے، جیسے: قلبی سکون۔ روحانی صفائی، تزکیۂ نفس وغیرہ، اور نماز تمام ضروریات کو پورا کرنے اور تمام پریشانیوں اور آفتوں سے نجات دلانے میں اکسیر اور مؤثر بالخاصہ ہے، بشرطیکہ کما حقہ اس کے تمام آداب کی رعایت اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھی جائے۔ (ملخص از معارف القرآن:۱/۳۹۱۔۳۹۵)

> اگر کوئی یوگا کرنے والا شخص یہ کہے کہ ہم وہ کلمات اپنی زبان سے ادا نہیں کرتے جو یوگی کرتے ہیں، اور نہ ہی ہمارا وہ عقیدہ ہے جو ان یوگیوں کا ہے، تب بھی سداً للذرائع یہ ورزش منع ہوگی، کیوں کہ شریعتِ اسلامی نے ان تمام ذرائع اور طریقوں کو اپنانے سے بھی منع کیا جن سے دانستہ ونادانستہ انسان شرک وکفر اور معصیت میں مبتلا ہوسکتا ہے، یا جن سے ان کی عبادات وافعال میں غیروں سے مشابہت لازم آتی ہے۔

(۵) یوگیوں کا ایک خیال یہ بھی ہے کہ یوگی تمام افکار سے متجرد ہوتا ہے، جب کہ اسلامی تعلیمات مسلمان کو فکرِ آخرت کی تلقین کرتی ہیں، اور ایک مسلمان ہمہ وقت نہ صرف اپنی موت کو یاد کرتا ہے بلکہ اسے اس کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

یوگا سے متعلق علماء اسلام کے فتاوی وآراء

ملیشیا کی مجلسِ اسلامی کبیر کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ''یوگا'' حرام ہے کیوں کہ یہ ریاضت بدھ مذہب کے دین اور بدھسٹوں (Buddhist) سے مربوط ہے، اور اس کا طریقہ اس مذہب کی حرکات واعمال دینیہ پر مشتمل ہے۔ کویتی علماء دین نے اس فتوی سے اپنے اتفاق کا اظہار کیا۔ اسی طرح دکتور عجیل النشمی (جو علوم شرعیہ کے مشہور ومعروف اسکالر ہیں)، دکتور بسام الشطی (فقہ وشریعت کے مشہور ومعروف عالم)، دکتور عبداللہ الھید ان (نورالاسلام ویب سائٹ)، فوز بنت عبد اللطیف الکردی (ماہر علم عقائد وادیانِ معاصرہ) وغیرہ، اور ان کے علاوہ بہت سارے علماء کرام نے ''یوگا'' کو حرام قرار دیا ہے۔

مفتی مصر فضیلۃ الشیخ علی جمعہ فرماتے ہیں: ''یوگا، یوگیوں کے عقائد کا التزام نہ کرنے کے باوجود بھی حرام ہے، کیوں کہ یہ اس تشبہ میں داخل ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ کیونکہ ''یوگا'' ایک خاص قسم کی ورزشی نشست ہے، جو بدھسٹوں کا شعار ہے، اور جب وہ ایک خاص قوم کا دینی شعار ہے، تو وہ خواہ ریاضت ہی ہو، ہمیں اس طرح کی ریاضت سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ صوم عاشورائی نفسہ عبادت ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں بھی ہمیں یہود کی مخالفت کا حکم دیا، اور ارشاد فرمایا کہ صرف دسویں تاریخ کا روزہ نہ رکھو، بلکہ اس سے پہلے یا اس کے بعد بھی ایک روزہ رکھ لو، تاکہ یہود کی مشابہت لازم نہ آئے۔ (سنن الترمذی:۱/۱۵۸۔ سنن الکبری بیہقی: ۴/۴۷۵، رقم الحدیث:۸۴۰۵)

جب ہمیں عبادتوں میں غیروں کی مشابہت سے منع کیا گیا، تو ریاضتوں اور ورزشوں میں بدرجہ اولی یہ ممانعت ہوگی، خصوصاً جب کہ وہ ریاضتیں کسی قوم کا شعار، مشرکانہ کلمات اور غیر اسلامی عقائد وافکار پر مشتمل ہوں۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ''اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ چھو جائے گی۔'' (سورہ ہود:۱۱۳)

حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ظالموں سے دوستی نہ کرو اور ان کا کہنا نہ مانو۔ ابن جریج نے فرمایا کہ ظالموں کی طرف کسی طرح کا بھی میلان نہ رکھو، ابو العالیہؒ نے فرمایا کہ ان کے اعمال وافعال کو پسند نہ کرو (قرطبی)، سدیؒ نے فرمایا کہ ظالموں سے مداہنت نہ کرو، یعنی ان کے برے اعمال پر سکوت یا رضا کا اظہار نہ کرو، عکرمہؒ نے فرمایا کہ ظالموں کی صحبت میں نہ بیٹھو، قاضی بیضاویؒ نے فرمایا کہ شکل وصورت اور فیشن اور رہن سہن کے طریقوں میں ان کا اتباع کرنا یہ سب اسی ممانعت میں داخل ہے۔ (معارف القرآن:۴/۶۷۳)

اگر کسی کو ریاضت وورزش کر کے صحت وتندرستی ہی حاصل کرنی ہے تو وہ مباح ورزشوں اور ریاضتوں کو اپنائے، مثلاً: سباحت، گھوڑسواری، تیراندازی، وغیرہ۔

اسلامی عبادتوں میں جہاں عبادت وبندگی کا پہلو ہے وہیں ان میں صحت وتوانائی، تندرستی وچستی کا بھرپور سامان موجود ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان کی حیثیت تبعیت کی ہے، اصل کی نہیں، اصل تو وہ عبادتیں ہی ہیں، جو مسلمان اسلامی عبادتوں کو پورے اہتمام واعتناء کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طرق ونقوش کے مطابق انجام دیتے ہیں۔ تو یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ نہ صرف انہیں اخروی فلاح وبہبودی حاصل ہوگی بلکہ اس دنیا میں بھرپور صحت وتندرستی بھی مل جائے گی، جیسا کہ نماز وروزہ کی حکمتوں اور اسرار ورموز پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ نماز بہت سے امراض سے انسان کو دور رکھتی ہے، مثلاً دماغی امراض، اعصابی امراض، نفسیاتی امراض، بے سکونی۔ ڈپریشن اور بے چینی کے امراض، دل کے امراض، جوڑوں کے امراض، یورک ایسڈ سے پیدا ہونے والے امراض، معدے اور السر کی شکایت، شوگر اور اس کے مابعد اثرات، آنکھوں اور گلے کے امراض۔ اسی طرح روزہ جہاں ایک خالص عبادت ہے، وہیں یہ بے شمار دنیوی فوائد سے مالامال ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روزہ رکھا کرو تندرست رہا کروگے۔'' (کنز العمال:۸/۲۳۶۰۰) ایک نہیں بے شمار مبارک احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ روزہ امراضِ جسمانی کے لئے شفا ہے۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس) لیکن کیا کہیں اور کس کو کہیں؟ آج ہر شخص قومی یکجہتی، سیکولرزم، جمہوریت نوازی میں دوسروں سے سبقت لے جانے میں ایسا لگا ہوا ہے کہ وہ یہ تک نہیں سوچ پارہا ہے کہ اس قومی یکجہتی، سیکولرزم اور جمہوریت نوازی سے میرے کن عقائد اور افکار ونظریات پر زد پڑتی ہے۔ یہ کہہ کر دین میں مداہنت کو برداشت کرلیا جاتا ہے، کہ قوم وملت کے لئے مصلحت اسی میں ہے۔ یاد رکھیں! کسی قوم کی دوسری قوم کے ساتھ اس طرح کی یکجہتی کہ اس کا اپنا تشخص وامتیاز ہی ختم ہوجائے اور وہ اپنے افکار ونظریات سے دستبردار ہوجائے، یہ یکجہتی نہیں بلکہ اس قوم کے عقائد اور اس کے افکار ونظریات سے ہم آہنگی ہے، اور یہی غیروں کا مقصد بھی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: ''اور آپ سے یہود ونصاری ہرگز خوش نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہوجائیں، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کی (بتلائی ہوئی) راہ تو بس وہی ہے، اور اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہنچ چکا ہے ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے تو آپ کے لئے اللہ کی (گرفت) کے مقابلے میں نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار۔ (البقرۃ:۱۲۰)

اگر یوگا کو یہ کہہ کر جائز قرار دیا جائے کہ مسلمان یوگیوں کے مخصوص کلمات کی جگہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھیں، تو ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کس کس کو یہ بتانے جائیں گے؟ اور ہوسکتا ہے کہ کوئی مسلمان ان کلمات کو اپنے زبان سے ادا کرے کہ دیکھیں انہیں کہنے سے کیا سکون وطمانینت حاصل ہوتی ہے، اور بالفرض اگر اسے کچھ راحت وسکون مل جائے، اور اس کو معمول بنائے تو کیا آپ اس کو روک سکیں گے؟ اور کیا یوگا کی اجازت دینا انحراف واعراض عن الاسلام کی اجازت دینے کے مترادف نہیں ہوگا؟ اس لئے خدارا کسی بھی چیز کو جائز قرار دینے سے پہلے ذرا یہ غور کرلیں کہ کیا ان قیود اور شرطوں کا پاس ولحاظ رکھا بھی جائے گا، جو آپ نے اس چیز کے جواز کے لئے لگا رکھی ہیں؟ عام لوگ تو ہمارے جواز ہی کو لے اڑیں گے، کہ علماء اسلام نے یوگا کو جائز قرار دیا، جیسا کہ بعض علماء کے اس طرح کے بیانات کو اخباروں نے شائع بھی کیا ہے۔

اگر کوئی یوگا کرنے والا شخص یہ کہے کہ ہم وہ کلمات اپنی زبان سے ادا نہیں کرتے جو یوگی کرتے ہیں، اور نہ ہی ہمارا وہ عقیدہ ہے جو ان یوگیوں کا ہے، تب بھی سداً للذرائع یہ ورزش منع ہوگی، کیوں کہ شریعتِ اسلامی نے ان تمام ذرائع اور طریقوں کو اپنانے سے بھی منع کیا جن سے دانستہ ونادانستہ انسان شرک وکفر اور معصیت میں مبتلا ہوسکتا ہے، یا جن سے ان کی عبادات وافعال میں غیروں سے مشابہت لازم آتی ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے طلوع وغروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا، اور آپ نے اس ممانعت کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے مابین طلوع اور غروب ہوتا ہے، اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔

ہم اور آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہر مومن صرف اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے۔ اور بہت سے لوگوں کو تو یہ بھی پتہ نہیں کہ سورج کا طلوع اور اس کا غروب شیطان کے دو قرنوں کے مابین ہوتا ہے۔ اور کفار اسے سجدہ کرتے ہیں، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا، تاکہ کسی بھی طرح کافروں کی مشابہت لازم نہ آئے، اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ مشرکین اپنی جن کفریہ وشرکیہ عبادتوں کو انجام دیتے ہیں مسلمانوں کو ان کی ظاہری شکل وصورت اختیار کرنے سے بھی منع کیا جائے گا، خواہ مسلمانوں کا قصد وارادہ وہ نہ بھی ہو جو کافروں کا ہے، (سداً للذرائع)۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی آدمی کو سجدہ کرے خواہ اس کا یہ قصد وارادہ نہ ہو کہ یہ میرا الٰہ ومعبود ہے۔ تب بھی اسے اس سجدے سے منع کیا گیا۔ کیوں کہ اس سے غیر اللہ کے لئے مشابہت تجود لازم آتی ہے (سداً للذرائع)۔ (الشرک باللہ انواعہ واحکامہ، ص۲۰۵، الموسوعة الفقهية:۱۲/۱۳)

جو چیز خلاف کتاب وسنت ہو خواہ وہ ان دانشوروں کے نزدیک مصلحت ہو لیکن شرعاً وہ کبھی بھی مصلحت نہیں ہوسکتی، کیوں کہ مصلحت اور شریعت دونوں میں تضاد ہے ہی نہیں، اگر دونوں میں تضاد ہو تو سمجھ جاؤ کہ وہ مصلحتِ شرعیہ نہیں بلکہ مصلحتِ مظنونہ وخیالیہ ہے، اور کسی بھی حال میں اس کا اعتبار کرنا صحیح نہیں ہے۔

یوگا کے علاوہ الطب البدیل کے نام سے اور بھی بہت سی ریاضتیں اور ورزشیں دنیا کے مختلف خطوں میں رائج اور شائع ہیں، مثلاً:

(۱) فلسفۂ طاویہ کا ایک طریقہ
(۲) نظام شکرات (۳) تاتشیون
(۴) تای شی شوان (۵) فنغ شوی
(۶) تأمل ارتقائی (۷) .N.L.P
(۸) ماکروبیٹک (۹) تصویر اورا

جن میں یوگا ہی کی طرح شرکیات اور تشبہ کی آمیزش ہے، اس لئے یہ سب بھی ناجائز ہیں، کیوں کہ جب ہمارے پاس طب اصیل (طب نبوی) موجود ہے تو ہمیں غیروں کی طب بدیل کو اختیار کرنے کی ایسی کونسی ضرورت لاحق ہے کہ اس کے کلمات کفر وشرک اور تشبہِ ممنوع پر مشتمل ہونے کے باوجود وہ ہمارے لئے جائز ہو؟

اس لئے ہم مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہم اپنے عقائد اور افکار ونظریات کی پوری حفاظت کریں۔ اور ہر اس فکر ونظر، طرز واداء سے پوری طرح پرہیز کریں، جس سے عقائد اسلام اور اس کے افکار ونظریات پر زد پڑتی ہو۔ اور ہمارے اسلامی تشخص وامتیاز کو خطرہ لاحق ہوتا ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! تم اسلام میں پوری طرح داخل ہوجاؤ۔'' (البقرۃ:۲۰۸)

ہم عہد کرتے ہیں کہ اپنے قلوب کو ایمان سے معمور کریں گے، قرآن اور سنت کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں گے، ادعیۂ ماثورہ، اور دیگر شرعی طریقوں سے اپنی جسمانی وروحانی بیماریوں کا علاج کریں گے، اور غیر شرعی امور سے مکمل اجتناب کریں گے، تاکہ دنیا وآخرت کی کامیابی ہمارا مقدر بن جائے۔ ہم دعا کرتے ہیں: ''اے اللہ! تو ہی دلوں کو پھیرنے والا ہے، ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ اے اللہ! ہم پناہ مانگتے ہیں ان فتنوں سے جو ظاہر ہوچکے ہیں، اور جو ظاہر ہونے والے ہیں۔ اے اللہ! تو ہمیں حق کو حق گردانے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرما، اور باطل کو باطل سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔ (آمین)

●●

بقیہ: ''اتحاد ملت، وقت کا اہم تقاضا''

البتہ یہ مقام افسوس ہے کہ آپ مصیبتیں بھی سہیں اور وہ بھی راہ اسلام میں نہیں بلکہ کسی اور حوالے سے؟

اسلام سے دور رہنے، اپنے برادران وطن کے سامنے صحیح طور پر اسلام کی امانت نہ پہنچانے کی جو غفلت صدیوں سے ہم سے سرزد ہورہی ہے۔ یہ صورتحال اسی کا نتیجہ ہے۔ یہ غفلتوں سے بیدار ہونے کا موقع ہے۔ آیئے عہد کریں کہ ہم اسلام کی امانت۔ اللہ کا پیغام اس کے تمام بندوں تک انتہائی دلسوزی اور حکمت کے ساتھ پہنچائیں گے۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔ آمین۔

اسلام اور ملت اسلامیہ کے خلاف عالمی سطح پر یہود ونصاریٰ ومشرکین گٹھ جوڑ کے نتیجے میں جو خطرناک صورتحال پیدا کردی گئی ہے۔ جو سازشیں رچی گئی ہیں جس کا مشاہدہ ہم روز کررہے ہیں اور جس طرح سے ملت کے سامنے مشکلات کھڑی کرنے کے ساتھ ہی ان پر دباؤ ڈالا جارہا ہے۔ ملت کو اس دباؤ سے نکالنے کے لئے تمام تر مشکلات سے نجات حاصل کرنے کے لئے، ظلم وجبر ناانصافی کو ختم کرنے کے لئے وقت کا اہم تقاضا اتحاد وملت ہے۔ اور اس کے لئے لازم ہے کہ تمام گروہی تعصب سے بالاتر ہوکر تمام ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اتحاد ملت کے لئے اقدام کیا جائے۔ اسی میں ملت اسلامیہ کی فلاح سیاسی طور پر بھی ممکن ہے۔

●●

بقیہ: اب کوئی گلشن نہ......

مچادیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ آج میں جس ہندوستان کو دیکھ رہا ہوں وہ میرے اور گاندھی جی کے سپنوں کا ہندوستان نہیں ہے۔ یہاں بھائی، بھائی کا دشمن ہوگیا ہے۔ اس ملک میں امن چین برادرانہ ماحول بھائی چارگی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا نظارہ بہت کم دیکھنے کو مل رہا ہے۔ اس پریس کانفرنس میں انہوں نے احمد آباد میں ہوئے فرقہ وارانہ فساد پر اپنے غم اور افسوس کا اظہار بھی کیا۔ اس پریس کانفرنس کی باتیں کچھ سیاسی لیڈروں کو بری لگیں۔ انہوں نے سرحدی گاندھی جیسی شخصیت کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنادیا۔ بہت چھوٹے قد والے سیاسی لیڈروں کے ذریعہ ایسی شخصیت پر کی گئی تنقیدوں سے ملک میں پنپ رہی فرقہ پرستی کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

●●

خطوط ومسائل

فرقہ پرستی کی سیاست کو بے نقاب کیا جائے

ہندوستان میں آزادی کے بعد فرقہ پرستوں نے اپنی فرقہ پرستی پر مبنی خونریزی کا مظاہرہ اس طرح کیا کہ ماضی کی تمام خوں ریز تاریخ ماند پڑگئی اور یہ ثابت کردیا کہ ہندوستان کی فرقہ پرستی خونریزی پر مبنی ہے۔ ایسی خونریز فرقہ پرستی دنیا کے کسی بھی حصے میں نہیں ملے گی۔ ہندوستان میں یہ فرقہ پرستی مذہبی اور سماجی نہیں ہے بلکہ سیاسی فرقہ پرستی ہے۔ یہ سیاسی فرقہ پرستی ہندوستان کی ان سیاسی جماعتوں نے اپنائی ہے جو صرف ذاتی مفادات کی تکمیل چاہتی ہیں۔ اپنی اس خونریز سیاست کو عروج پر لے جانے کے لئے یہ لوگ مذہبی چولے اپناتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو سیاسی رخ وپہلو کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے یہ جماعتیں ملک کی ایسی آبادی سے سیاسی فائدہ اٹھاتی آرہی ہیں۔ یہ فرقہ پرست جماعتیں آر۔ ایس۔ ایس کے نظریات پر عمل کرتی ہیں۔ آر۔ ایس۔ ایس ایک ایسی جماعت ہے جو اپنی ماتحت جماعتوں کے ذریعہ ہندوستان کے ہندوؤں کو یہ باور کرانا چاہتی ہے کہ ''ہندوستان میں صرف ہندوؤں کی حکومت ہونی چاہئے۔ اکھنڈ بھارت ہونا چاہئے۔ ہندو اکثریت والے ملک ہندوستان میں اقلیت کی صورت میں مسلمانوں کے رہنے کا کیا مطلب ہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان کو تقسیم کرایا۔ یہ اپنا حصہ ہندوستان سے لے کر پاکستان کا قیام وجود میں لاچکے ہیں۔ اس لئے اب مسلمانوں کا کوئی حق نہیں ہے کہ ہندوستان میں رہیں۔'' لیکن حیرت یہ ہے کہ ان فرقہ پرست جماعتوں کے افراد خواہ وزیر ہوں یا ممبر یا لیڈر۔ پارلیمنٹ اور اسمبلی میں مسلم ممبر اور وزیر سے بہت خلوص اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ ساتھ بیٹھ کر بہترین گفتگو کرتے ہیں ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ فیملی ممبران کی طرح ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ تہواروں پر ایک دوسرے کو تحائف پیش کرتے ہیں۔ دکھ سکھ اور موت میں ایک دوسرے کے شریک رہتے ہیں لیکن ایسے تمام بہترین سماجی عمل کے باوجود الیکشن میں مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔ مسلم مسائل کے حل ہونے کے سلسلے میں اپنی ٹیڑھی ٹانگ اڑانا یعنی ہر عمل مسلمانوں کے خلاف کرنے سے لیکر مسلمانوں کا قتل عام کرانے تک ان کا ایک سیاسی حربہ ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہیں کریں گے تو یہ آرام وآسائش کے بہترین سامان اور فائیو اسٹار ہوٹلوں میں قیام، ہوائی جہازوں کا سفر یہ سب کہاں سے ہوگا۔ یہی صورت حال ہندوستانی سماج کے تمام انسانوں کی ہے۔ ہندوستانی سماج میں ہر شخص خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو وہ بھی بالکل اس طرح ملتا ہے جس طرح مذہبی تعصب کا مظاہرہ کرنے والے فرقہ پرست جماعتوں کے لیڈر، ممبر اور وزیر ملتے ہیں لیکن وہ سیاسی وذاتی مفادات سے مبرا ہوتے ہیں۔ ان کے سلوک میں کسی بھی قسم کی کوئی سیاسی یا سماجی ریاکاری پنہاں نہیں ہوتی لیکن یہ سیاسی فرقہ پرست مذہبی سیاست کا رنگ دیکر یعنی نقلی چہرہ لگا کر ملک کے عوام کو اپنی سیاسی سرگرمیوں کے ذریعہ دھوکا دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ سب سے بڑی مجبوری یہ ہے کہ ان کے پاس کبھی بھی قومی پیمانے پر نہ کوئی پروگرام ہوتا ہے اور نہ ہی عوامی خدمات کے سلسلے میں کوئی لائحہ عمل ہوتا ہے جو اس پر عمل کر پائیں۔ اس لئے اس سیاسی فرقہ پرستی کا چولا پہن کر ہندوستان میں فرقہ پرستی کی سیاست کا کھیل کھیل کر ذاتی مفادات کی تکمیل کرتے ہیں۔ اگر ان میں وطن پرستی کا جذبہ ہوتا تو آزادی حاصل کرنے کے سلسلے میں ان کی بھی کچھ سیاسی سرگرمیاں ہوتیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ جب اندرا گاندھی نے اپنے دور حکومت میں ایمرجنسی نافذ کی تھی اس دوران ایسے تمام فرقہ پرست عناصر کو جیلوں میں بند کردیا گیا تھا لیکن یہ بے چارے جیلوں کی مصیبتوں سے پریشان ہوکر کانگریس حکومت کو اپنے معافی نامے پیش کرکے اور کچھ پیرول کا بہانہ بنا کر جیل سے باہر آگئے۔ جب یہ ایمرجنسی میں جیلوں میں نہیں رہ سکے تو آزادی کی خاطر یہ انگریزوں کی اذیتیں اور جیلوں کی مصیبتیں کیا برداشت کرسکتے تھے۔ لہٰذا ان میں دور دور تک وطن پرستی کا فطری طور پر کوئی جذبہ نہیں ہے۔ اور اپنی سیاسی مجبوریوں کے باعث انہوں نے فرقہ پرستی اور متعصبانہ سیاست اختیار کرلی ہے۔ اس لئے ان کو دنیا کے کسی بھی ملک میں بحیثیت سیاست داں کے کوئی نہیں سمجھتا اور نہ ہی کوئی ان کو اہمیت دیتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ نریندر مودی نے جب امریکہ جانے کے لئے ویزا طلب کیا تو امریکہ نے ان کو ویزا دینے سے صرف اس لئے انکار کردیا کہ انہوں نے گجرات کے وزیر اعلیٰ ہوتے ہوئے اپنی فرقہ پرست حکمت عملی کے تحت مسلمانوں کا قتل عام کرایا۔ گویا صدر بش جنہوں نے خود اپنے دور حکومت میں دنیا کا سب سے بڑا قتل عام کرایا۔ انہوں نے نریندر مودی کو اپنے سے بھی زیادہ خطرناک اور قتل عام کرانے والا سمجھا ہے اور اب ان لوگوں نے اپنی اس فرقہ پرست سیاست کو ایسی صورت دیدی ہے جس سے غداری کی بو آرہی ہے۔ کیونکہ انہوں نے آئینِ ہند، اصول، قاعدے اور قوانین سب کی اپنی فرقہ پرست سیاست کے آگے خلاف ورزی کرنی شروع کردی ہے۔ ملک کے تمام اداروں میں اپنا فرقہ پرستی کا زہر گھول کر مسلمانوں کے خلاف بہت بڑا محاذ بنالیا ہے اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ فوج میں فرقہ پرست ذہنیت کے لوگ پیدا کرکے فوج میں بھی ملک وقوم کے خلاف ایک ایسا ناسور پیدا کردیا ہے۔ جس کے باعث ملک میں خانہ جنگی کے آثار نمودار ہوتے ہوئے صاف نظر آرہے ہیں۔ یہ فوج کے اعلیٰ افسران کو اپنے متعصبانہ اور فرقہ پرست نظریات سے متاثر کرکے کچھ فوجی افسران کے ذریعہ خفیہ اداروں میں لوگوں کو آر۔ ایس۔ ایس کے نظریات سے آگاہ کرتے ہوئے ہتھیار چلانے کی ٹریننگ دلواتے ہیں۔ اس طرح یہ جماعتیں ہندو دہشت گردی کو فروغ دینے کے پلان کے تحت دن بدن اپنے اس ملک سے غدارانہ عمل میں ترقی کرتی جارہی ہیں۔ انہوں نے ملک میں دہشت گردی پھیلانے کے لئے اسرائیل کو اپنا سب سے بڑا سیاسی معاون بنالیا ہے۔ اسرائیل اور ان فرقہ پرست جماعتوں کے لیڈروں کے ذریعہ کچھ معاشی امداد کے بھی امکانات محسوس ہورہے ہیں۔ اس لئے ملک ان کے ایسے عمل اور سیاست کے باعث تباہی کے دہانے پر ہے۔ لہٰذا اس وقت ضرورت ہے کہ ان فرقہ پرستوں کی اس مصنوعی اور آدم خور سیاست کو جو عوام کے سامنے آشکارا ہورہی ہے، اسے سمجھا جائے اور ملک کی بقاء وتحفظ کے لئے کوئی راہ نکالی جائے۔

حکیم سراج الدین ہاشمی، ہاشمی دواخانہ، محلہ قاضی زادہ، امروہہ

کانگریس اور مسئلہ تلنگانہ

کوئی بھی مسئلہ ہو اس کے چند منفی اور چند مثبت پہلو ہوتے ہیں۔ دیکھا یہ جارہا ہے کہ کانگریس قیادت ہر اہم مسئلے میں گومگو اور تذبذب کا شکار ہورہی ہے۔ عزم وحوصلے سے حل کرنے کی بجائے لیت ولعل میں ڈال دیتی ہے۔ راج شیکھر ریڈی کی سونیا گاندھی سے دہلی میں حالیہ ملاقات اس پالیسی کی آئینہ دار ہے۔ کانگریس عوامی مفاد سے زیادہ پارٹی مفاد کو ترجیح دے رہی ہے۔ چھوٹی ریاستوں کے قیام سے مرکز مضبوط ہوسکتا ہے اور انتظامات میں بھی آسانی ہوتی ہے۔ تلنگانہ کے عوام ایک عرصے سے الگ ریاست کا مطالبہ کررہے ہیں۔ یہ مطالبہ بیجا نہیں ہے۔ یہ مکمل آزادی کا تو مطالبہ نہیں ہے۔ حالانکہ حکومت کشمیریوں کو ملک کے چوکھٹے میں رکھ کر خود اختیاری بھی دے سکتی ہے۔ یوروپ میں چھوٹے چھوٹے ممالک وجود میں آچکے ہیں۔ اور یہ رجحان اس وقت ساری دنیا میں مقبول ہورہا ہے۔ کانگریس اگر یہ سوچتی ہے کہ تلنگانہ مسئلے پر سیاست چلائے گی تو یہ بات بالکل غلط ہوگی۔ اگر وہ عوام کی مخلصانہ خدمت کا جذبہ اپنے اندر پروان چڑھاتی ہے تو پھر عوام ضرور کانگریس کو ہی منتخب کریں گے۔ آندھرا پردیش اور تلنگانہ دونوں علاقوں پر وہ حکمرانی کرسکتی ہے۔ لیکن نااہلی اور اخلاص کی کمی رکھ کر اس مسئلے پر سیاست چلاتی ہے تو عوام ہرگز اس کو اقتدار نہیں عطا کریں گے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ عام الیکشن سے پہلے تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈر مل کر فیصلہ کریں کہ تلنگانہ کو علیحدہ کرنا چاہئے یا نہیں اور الیکشن کے بعد بھی تمام پارٹیاں اس فیصلے پر عمل کریں۔ بی جے پی کے اس اعلان کو کہ وہ اگر مرکز میں برسر اقتدار آتی ہے تو صرف ۱۰۰ دن میں علیحدہ تلنگانہ قائم کردے گی کالعدم قرار دینا چاہئے۔ تمام پارٹیاں اس مسئلے کو ایک قومی مسئلہ سمجھ کر حل کریں جو سارے ملک اور قوم کے لئے مفید ثابت ہو۔

ڈاکٹر عبدالحمید مخدومی، گلبرگہ

اہم خبروں کا اختصار

ملکی

● لکھنؤ- سماج وادی پارٹی کے صدر ملائم سنگھ یادو نے کہا ہے کہ انہوں نے بابری مسجد کے انہدام کے معاملہ میں کلیان سنگھ کو کلین چٹ نہیں دی ہے۔ انہدام کی اخلاقی ذمہ دار ان ہی کی ہے۔ ان کے ساتھ ہمارا کوئی معاہدہ نہیں ہوا بلکہ صرف دوستی ہے۔ وہ ایٹہ سے آزاد امیدوار کے طور پر لڑیں گے تو ہم ان کی حمایت کریں گے۔ ہمارا موقف ہے کہ جو بھی ایل کے آڈوانی اور نریندر مودی کو اقتدار حاصل کرنے سے روکے گا ہم اس کی حمایت حاصل کرنے کو تیار ہیں۔

● نئی دہلی- مرکزی وزیر قانون ہنس راج بھاردواج نے کہا ہے کہ چیف الیکشن کمشنر این گوپالا سوامی کی باس کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے۔ انہوں نے سیاسی جذبہ کے تحت الیکشن کمیشن نوین چاؤلہ کو ہٹانے کی سفارش کی جب کہ وقت آنے پر وہ آئندہ چیف الیکشن کمشنر ہوں گے۔

● نئی دہلی- سماج وادی پارٹی کے قومی جنرل سکریٹری امر سنگھ نے کہا کہ کلیان سنگھ کے بیٹے راج بیر سنگھ سماج وادی پارٹی میں شامل ہوئے ہیں اور پارٹی کے جنرل سکریٹری بنے ہیں کلیان سنگھ نہیں۔

● لکھنؤ- بہوجن سماج پارٹی نے ملائم سنگھ اور کلیان سنگھ دوستی کی وجہ سے سماج وادی پارٹی سے بدظن مسلمانوں کو رجھانے کے لئے لوک سبھا انتخابات میں ۲۵ فیصد ٹکٹ مسلمانوں کو دینے کا اعلان کیا ہے۔

● لکھنؤ- حکومت اتر پردیش نے اقلیتی فرقہ کے طلباء وطالبات کو مسابقتی انتخابات کی تیاری کے واسطے کوچنگ کی غرض سے ۱۵ ہزار روپے کی مالی مدد دینے کا نظام کیا ہے۔ یہ اطلاع اقلیتی بہبود کے مرکزی وزیر انیس احمد خاں عرف پھول بابو نے دی۔

● جے پور- یو پی اے کی چیئر پرسن سونیا گاندھی نے ضلع جے پور کے بگرو میں منعقدہ ایک تقریب میں پٹرول، ڈیزل اور کیروسین کی سپلائی کے لئے ایچ پی سی ایل کی ۱۰۵۴ کلومیٹر لمبی پائپ لائن قوم کو وقف کردی۔

● نئی دہلی- سینئر آئی پی ایس افسر اے پی ایس گل سی آر پی ایف کے اگلے ڈائریکٹر جنرل ہوں گے اور یکم مارچ کو اپنا چارج سنبھالیں گے۔ کابینہ کی تقرر کمیٹی کی میٹنگ میں اس کا فیصلہ کیا گیا۔

● لکھنؤ- حکومت اتر پردیش نے ۱۴ آئی پی ایس افسران کے تبادلے کئے۔

● ممبئی- ممبئی دہشت گردانہ حملوں میں گرفتار محمد اجمل عامر قصاب کو گجرات کے ایک مچھلی پکڑنے والے جہاز کے کپتان کے قتل کے معاملے میں ۱۳رفروری تک پولیس ریمانڈ میں بھیج دیا گیا۔

● مڈیکری- شری رام سینا کے صدر پرمود متالک کو وراج پیٹ کی ایک عدالت نے ضمانت پر رہا کر دیا وہ ۲۰۰۳ء میں اشتعال انگیز تقریر کرنے کے الزام میں گرفتار تھا۔

● بھوپال- مالیگاؤں بم دھماکہ کے ملزم سمیر کلکرنی نے مدھیہ پردیش سے لوک سبھا الیکشن لڑنے کی غرض سے اپنے وکیل سے صلاح ومشورہ کرنے کے لئے جبلپور کی ایک عدالت میں درخواست داخل کی ہے جس پر ۷رفروری کو سماعت ہوگی۔

● نئی دہلی- یوڈی این کے سربراہ بدرالدین اجمل نے یہاں ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ آسام یونائیٹڈ ڈیموکریٹک فرنٹ کی توسیع کی جائے گی اور آئندہ لوک سبھا انتخابات میں فرنٹ ملک بھر میں اپنے امیدوار کھڑے کرے گا۔

● نئی دہلی- نائب صدر جمہوریہ محمد حامد انصاری نے یہاں ایک کانفرنس میں کہا کہ قابل تعریف کوششوں کے باوجود ایک ارب سے زائد آبادی والے ہمارے ملک میں مختلف مذاہب کی وجہ سے بنیادی حقوق کو پوری طرح نافذ نہیں کیا جاسکتا، ایسی حالت میں انسانی حقوق، ماحولیات، معیشت اور جوہری ترقی جیسے اہم ایشوز پر بین الاقوامی قوانین کے امکانات کا جائزہ لیا جانا چاہئے۔

● نئی دہلی- دہلی میں ۱۳رستمبر کو سیریل بم دھماکوں کے سلسلہ میں گرفتار تمام ۶ ملزمان کو ایک مقامی عدالت نے پھر سے ۴رفروری تک پولیس حراست میں بھیج دیا۔

● گوہاٹی- حکومت آسام بنگلہ دیش میں موجود عسکریت پسندی کے کیمپوں کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کررہی ہے تاکہ اسے وزیر خارجہ پرنب مکھرجی کے دورے کے دوران حکومت بنگلہ دیش کے حوالے کیا جاسکے۔ وزیر اعلیٰ ترن گوگوئی نے اس کی جانکاری دیتے ہوئے کہا کہ آسام عسکریت پسند گروپوں کے ۱۶ کیمپ بنگلہ دیش میں ہیں۔

بین الاقوامی

● ریاض- مشرق وسطیٰ کے لئے امریکی نمائندہ جارج مشیل نے اپنے دورہ مشرق وسطیٰ کے دوران سعودی عرب کے شاہ عبداللہ سے ملاقات کی۔ ملاقات میں مشرق وسطیٰ کی صورتحال پر غور کیا گیا۔

● کولمبو- بین الاقوامی امدادی تنظیم ریڈ کراس کا کہنا ہے کہ جنگ سے متاثرہ شمال مشرق سری لنکا میں ایک اسپتال پر کئے جانے والے حملوں میں بچوں سمیت ۹ افراد ہلاک ہوگئے۔

● کولمبو- سری لنکا کے صدر مہندا راج پکسے نے ملک میں ایل ٹی ٹی ای پر فوج کا شکنجہ مسلسل کسنے کے پیش نظر تمل باغیوں سے ہتھیار ڈالنے کے لئے کہا ہے اور نہیں یقین دلایا ہے کہ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کے ساتھ انسانی برتاؤ کیا جائے گا۔

● کابل- افغانستان کے جنوبی علاقے میں پولیس ٹریننگ سنٹر پر ہوئے خودکش حملے میں ۲۱ اہلکار ہلاک اور ۶ زخمی ہوگئے۔

● تہران- ایرانی لیڈر آیت اللہ خامنہ ای نے یہاں حماس کے وفد سے ملاقات کے دوران اسرائیل کے متوقع حملوں سے نمٹنے کے لئے تیار رہنے کو کہا۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیلی نفسیاتی دباؤ بنانے کے لئے اپنی مہم جاری رکھے گا۔ خالد مشعل کی قیادت میں حماس کے وفد نے ایرانی صدر محمود احمدی نژاد سے بھی ملاقات کی۔

● اسلام آباد- انگریزی روزنامہ ''دی نیوز'' کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں تشدد سے متاثرہ شمالی مغربی سوات وادی کے چار باغ، مٹا اور لنگوٹا علاقوں میں فوجی کارروائی میں تین جوانوں سمیت ۴۳ افراد ہلاک اور ۲۲ زخمی ہوگئے۔

● اسلام آباد- پاکستان کے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ حکومت سوات میں کم سے کم جانی نقصانات کے لئے ایک جامع حکمت عملی اختیار کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ سوات میں بدامنی کو صرف فوجی طاقت سے ختم نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لئے سیاسی سرگرمیاں اور مذاکرات بھی ضروری ہیں۔

● اسلام آباد- پاکستان کے سابق صدر پرویز مشرف کو واشنگٹن کے باوقار مڈل ایسٹ انسٹی ٹیوٹ میں ''اسکالر ان ریزیڈنس ان پاکستان'' کے بطور ملازمت کی پیشکش کی گئی ہے۔

● غزہ- اسرائیلی طیاروں نے غزہ پٹی میں حماس کے ٹھکانوں کو نشانہ بناتے ہوئے پھر بمباری کی۔ اس میں کسی جانی نقصان کی کوئی اطلاع نہیں، یہ کارروائی غزہ پٹی سے مارٹر اور راکٹ حملے کے بعد کی گئی جس میں تین اسرائیلی زخمی ہوگئے۔

● واشنگٹن- امریکی صدر بارک اوبامہ نے این بی سی ٹیلی ویژن کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں کہا کہ ایک سال میں عراق سے ایک لاکھ ۴۰ ہزار امریکی فوجی وطن واپس آجائیں گے کیونکہ عراق اپنی سلامتی کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہے۔ واضح رہے کہ عراق میں اب تک ۴۲۳۶ امریکی فوجی مارے جاچکے ہیں لیکن دوسری طرف مسٹر اوبامہ افغانستان میں امریکی فوجیوں کی تعداد ۳۶ ہزار سے بڑھ کر ۶۰ ہزار کرنا چاہتے ہیں جہاں ۶۴۴ امریکی فوجی مارے جاچکے ہیں۔

● اسلام آباد- پاکستان کے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے کہا ہے کہ ان کا ملک جلد ہی ہندوستان کے اس مکتوب کا جواب دے گا جس میں ممبئی کے دہشت گردانہ حملوں سے متعلق معلومات تھیں۔ ہماری تفتیش مکمل ہوچکی ہے۔

● اسلام آباد- سپریم کورٹ کے چیف جسٹس حاکم علی نے آبزرویشن دی ہے کہ مسلم لیگ (ن) کے قائد نواز شریف کی سزا تو معاف ہوگئی ہے لیکن جرم کا ارتکاب موجود ہے۔ عدالت نے فریقین کے وکلاء کو عدالت کے باہر انتخابی اہلیت کیس میں بحث نہ کرنے کی ہدایت دی۔

● واشنگٹن- امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان رابرٹ ووڈ نے کہا ہے کہ اوبامہ انتظامیہ ایران کے جوہری پروگرام کے حوالے سے مناسب فریم فراہم کرے گی اور ایران سے سفارتی تعلقات استوار کرنا اولین ترجیح ہوگی۔

● موگادیشو- صومالیہ کے جن بحری قذاقوں نے یوکرین کے جہاز کو پکڑ رکھا ہے جس میں ۳۳ ٹینک لائے جارہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ وہ تیس لاکھ ڈالر کا تاوان لے کر کچھ دنوں میں جہاز کو چھوڑ دیں گے۔

محیط صدیقی: ایک خاموش اور گمنام داعی

ایم این بیگ زاھد، نظام آباد

موت ایک حقیقت ہے اور ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو غروب ہوکر بھی روشن رہتے ہیں ان ہی میں سے ایک شخصیت کا نام محیط صدیقی ہے۔ دین کی خدمت کا جذبہ انہیں اپنی کم عمری ہی سے ورثہ میں ملا تھا۔ اپنی پُر بہار جوانی وزندگی کے قیمتی لمحات کو انہوں نے ایک اعلیٰ مقصد اور نصب العین کے حصول کے لئے وقف کردیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو فطرت صالح اور انسانی خدمت سے سرشار کیا تھا۔ ان کے ذہن پر ہمیشہ دو بنیادی باتیں چھائی رہتی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ مسلم نوجوانوں کو بامقصد زندگی گزارنے اور دین اسلام کی خدمت کے لئے راغب کریں اور دوسرے غیر مسلم نوجوانوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لئے بے لوث خلوص ومحبت سے جہد مسلسل کا مظاہرہ کریں۔

جس وقت میں ایس آئی او کا ڈسٹرکٹ آرگنائزر اور زونل سکریٹری حلقہ آندھرا پردیش تھا مجھے محیط صدیقی کے ساتھ کم از کم ۸ تا ۱۰ سال ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ وہ صرف ایک گریجویٹ تھے۔ معاشی بحران کی وجہ سے سلسلہ تعلیم کو آگے نہیں بڑھا سکے۔ یہ ان کی ایک مجبوری تھی۔ ایک خانگی ملازمت اختیار کرنے پر حالات نے انہیں مجبور کردیا تھا۔ اہم ترین خوبی جو اس نوجوان میں تھی وہ یہ کہ وہ چاہتے تھے کہ ملت کا ہر بچہ تعلیم کے میدان میں آگے بڑھے۔ خصوصیت کے ساتھ معاشی طور سے پسماندہ طلباء اور دیہاتوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء پر ان کی خصوصی توجہ رہتی تھی۔ ان کی ہر طرح کی خدمت اور ان کے ہر طرح کے معاشی تعلیمی مسائل کے حل کے لئے وہ ہر وقت متفکر رہتے تھے۔ سماج کے دیگر لوگوں کو بھی وہ ان کی مدد کے لئے آمادہ کرتے تھے اور ان کی سیرت وکردار کی تعمیر میں وہ شب وروز مصروف نظر آتے تھے۔ الحمد للہ میں ایسے کئی نوجوانوں سے واقف ہوں جن کی محیط صدیقی نے اپنے معاشی تنگی کے باوجود مدد کی اور انہیں دین حق کی خدمت کے لئے تیار کیا۔ آج وہ نوجوان جماعت اسلامی سے وابستہ ہوکر اجتماعی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور کئی طلباء تو ایسے ہیں جنہوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اب اونچی سطح کی ملازمت ملک وبیرون ملک میں انجام دے رہے ہیں۔ ایسے بھی مسلم نوجوان وطلباء جو غیر اسلامی تحریکات کے اندر اپنی صلاحیتیں صرف کررہے تھے ان سے شخصی ملاقتوں کے بعد آج وہ سب نوجوان اسلام کی آغوش میں دین حق کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ایس آئی او کی جانب سے نظام آباد شہر میں ۱۹۸۳ء میں ایک مسلم ہاسٹل قائم کیا گیا تھا جہاں ضلع اور بیرون ضلع کے مسلم طلباء قیام کرتے تھے۔ اسی ہاسٹل میں ایس آئی او کا دفتر بھی واقع تھا۔ اس ہاسٹل کے ہر نوجوان طالب علم سے اگر کسی کے شخصی تعلقات تھے تو وہ صرف محیط صدیقی سے تھے۔ اس ہاسٹل میں کئی ایسے مسلم طلباء بھی تھے جن کا تعلق جماعت اسلامی کے مخالف خاندانوں سے تھا۔ محیط صدیقی نے ان کی غلط فہمیوں کو دُور کرکے انہیں تحریک کا لٹریچر پڑھوایا۔ اور آج وہ الحمد للہ جماعت کے رکن اور ذمہ دارانہ جماعتی منصب پر فائز ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں تحریکی افراد کی معاشی حالت اتنی مستحکم نہیں تھی کہ کوئی سواری بھی ان کو میسر آتی۔ یہ نوجوان اپنے ساتھیوں کو لے کر سائیکلوں پر ۳۵-۲۵ کلو میٹر نظام آباد کے اطراف واکناف کے دیہاتوں میں دعوتی دورہ کرتے اور دوران سفر ان کے پاس سوائے چڑوا (اُنگل) کے کوئی اور چیز کھانے کے لئے نہیں ہوتی تھی۔ ان تمام دوروں میں یہ صرف مسلم نوجوانوں ہی سے تعلق پیدا نہیں کرتے تھے بلکہ غیر مسلم نوجوانوں سے بھی ملاقاتیں کرتے تھے اور محبت سے ان کے ساتھ پیش آتے۔ غیر مسلم طلباء ونوجوانوں میں اسلام کی دعوت کو پہنچانے کی ان میں غیر معمولی دلچسپی اور تڑپ تھی۔ یہ نوجوانوں کو منتخب کرتے اور ان سے مسلسل شخصی ربط پیدا کرکے ان کے تمام مسائل میں دلچسپی لیتے رہتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ وہ SC، BC اور ST ہاسٹل میں مقیم طلباء سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے مسائل کو عملی طور پر حل کرتے اور انہیں مسلم ہاسٹل پر لے آتے۔ کئی کئی دنوں تک انہیں اپنا مہمان بنا رکھتے ان کے تعلیمی ومعاشی مسائل کو حل کرنے کی ممکنہ کوشش کرتے۔ اگر ان میں کوئی بیمار ہوجاتا تو اُسے دواخانے لے جاتے اور اپنے ہاتھوں سے دوا کھلاتے۔ بعض طلباء کو اپنی نگرانی میں رکھ کر ان کی تعلیم وتربیت کا بندوبست کرتے۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث کہ تم میں بہترین انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔

☆ سارے انسان اللہ کا کنبہ ہیں۔

☆ جو بھوکا ہے اس کو کھلاؤ۔ جو ننگا ہے اس کو کپڑے پہناؤ، جو ضرورت مند ہے اس کی ضرورت کو پورا کرو۔ تو قیامت کے روز اللہ تم کو کھلائے گا، پہنائے گا اور تمہاری مغفرت فرمائے گا۔ رسول اللہؐ کی یہ احادیث میرا احساس یہ ہے کہ ان کے دل ودماغ پر چھائی تھیں۔ اسی لئے وہ خود معاشی طور پر کمزور ہونے کے باوجود دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ خود نہیں کرسکتے تو تحریکی اور دینی جذبہ رکھنے والے افراد سے ان نوجوانوں کا تعارف کرواتے اور ان کے ذریعہ ان لوگوں کی مدد کا انتظار کرتے۔ جب کسی غیر مسلم نوجوان کے گھر جاتے تو لازماً کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور ساتھ لیتے جاتے۔ موسمی پھل اکثر تحفہ میں پیش کرتے جس کی وجہ سے ان کا تعلق صرف اس نوجوان ہی سے نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کے افراد خاندان سے بھی ہوتا تھا۔ ان کی ہر خوشی اور ہر غم میں وہ شریک ہوتے۔ عیدین کے موقع پر ان نوجوانوں کے لئے اور ان کے والدین کے لئے کپڑے لے جاتے۔ ان کے گھروں میں ان کی حیثیت مہمان کی نہیں بلکہ گھر کے فرد کی سی تھی۔ وہ دیہاتوں کے مسلم نوجوانوں کو اور ان غیر مسلم نوجوانوں کو جو اسلام کی تعلیمات سے متاثر تھے اور جو روزہ رکھنے کی خواہش کا اظہار کرتے تھے ان کے لئے سحر اور افطار کا انتظام فرماتے۔ ان کی تعداد کم از کم ۸ تا ۱۰ ہوتی تھی ان کی ہمیشہ خواہش یہی رہتی تھی کہ ذمہ داران تحریک ان نوجوانوں کے ساتھ ماہ رمضان المبارک کے شب وروز گزاریں۔ اور ان کے لئے سحر اور افطار کا انتظام کریں۔ مجھے ان کی والدہ محترمہ پر بھی رشک آتا تھا کہ جو اپنے بیٹے کے اس کردار میں مکمل تعاون فرماتیں۔ ہم بھی اپنے رفقاء کے ساتھ اس قافلے میں شریک ہوجاتے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ خود بھوکے رہتے تھے لیکن اپنے مہمانوں کو کھلاتے۔ خود پرانے کپڑے پہنتے لیکن اپنے ساتھیوں کے لئے نئے کپڑے سلواتے، خود ٹوٹی چپل پہنتے لیکن اپنے ساتھیوں کے لئے اچھی قسم کے نئے چپل خریدتے۔ بعض اوقات مقروض بھی ہوجاتے تھے۔ ان کی اسی داعیانہ تڑپ اور خدمت کا جذبہ تھا کہ نوجوان ان کی طرف کھنچ کر آتے تھے۔ وہ نہ کوئی مقرر تھے اور نہ ہی واعظ لیکن اس کے باوجود ان ہی کے ذریعہ ہدایت پانے والے اور دین حق میں داخل ہونے والوں میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور کئی ایسے نوجوان بھی ہیں جوان سے اتنا متاثر ہوئے کہ وہ اگرچہ ایمان تو نہیں لائے لیکن حضرت ابوطالبؓ کا کردار ضرور ادا کرتے رہے۔

ان کے کردار کی بڑی خوبی یہ تھی کہ یہ بہت زیادہ مہمان نواز واقع ہوئے تھے۔ خصوصیت سے ان افراد سے جن سے ان کا تعلق پیدا ہوتا تھا۔ گھر پر اور ہاسٹل پر ان کی تواضع میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے۔ جب بھی ان کے گھر جاتے کچھ نہ کچھ پھل، میوے اور دیگر چیزیں ضرور اپنے ساتھ لیتے جاتے جس کی وجہ سے ان کا تعلق صرف ان افراد سے ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ اس خاندان کے تمام افراد سے یہ قربت پیدا کرلیتے تھے۔ جس کے بہترین اثرات میں نے اپنی آنکھوں سے اس وقت دیکھے جب مجھے دو نومسلم نوجوانوں کی شادی میں شرکت کا موقع ملا۔ ان نوجوانوں کے قریبی خاندان کے لوگوں میں ایسے افراد بھی تھے جن کا تعلق فرقہ پرست تنظیموں سے تھا۔ یہ افراد ان کے ایمان لانے کی سخت مخالفت کررہے تھے لیکن ان کے شخصی تعلقات ان افراد خاندان سے اتنے اچھے تھے کہ ان ہی کوششوں کی وجہ سے وہ لوگ بھی ان لوگوں کی شادی کی تقریب میں شریک ہوئے جوان کے مخالف تھے۔

ایثار کی کیفیت بھی ان میں غیر معمولی تھی۔ وہ خانگی ملازم تھے اور ملازمت کے ضمن میں انہیں اکثر مدراس جانا پڑتا تھا۔ اپنے سفر میں یہ ان نومسلم نوجوانوں کو ساتھ رکھتے اور ویلور (دعوہ سنٹر) لے جاکر ان کے حالات سے انتظامیہ کو واقف کرواتے تاکہ ان کے اندر بھی داعیانہ جذبہ پیدا ہو۔ واپسی میں وہاں سے کوئی نہ کوئی چیز ان نومسلم افراد کے خاندان کے لئے تحفہ میں دینے کے لئے ضرور لاتے۔ مختصر اس دور میں محیط صدیقی عمدہ کردار کے حامل نوجوان تھے۔ میرا مقصد اس نوجوان کی دعوتی زندگی کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالنا صرف اس وجہ سے ہے کہ آج دعوت کا کام پورے ملک میں الحمد للہ پھیلا ہوا ہے اور اس نوجوان کے تجربے اور کردار سے ہم داعیان اسلام کو بہت کچھ سیکھنا چاہئے۔ اپنی عملی زندگی میں اس کو اختیار کرکے ہم ایک کامیاب داعی انشاء اللہ بن سکتے ہیں۔ گزشتہ ماہ محیط صدیقی اپنے افراد خاندان کے ساتھ حیدرآباد سے نظام آباد بذریعہ کار واپس ہورہے تھے کہ راستہ میں کار حادثہ کا شکار ہوگئی اور سات افراد خاندان مقام حادثہ پر ہی انتقال کرگئے۔ نماز جنازے میں تقریباً ۵ ہزار افراد شریک تھے۔ جنازہ میں تقریباً ۶۰۰ غیر مسلم بھی شریک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

●●

تحریک آزادی پر سیمینار

مونگیر- جنگ آزادی کے موضوع پر رحمانی فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان کے تعاون سے ایک سہ روزہ سیمینار ۲۲ تا ۲۴ رفروری منعقد ہوگا۔ سیمینار میں ملک کے ممتاز مؤرخین، دانشور، اور علماء کرام شریک ہوں گے۔ سیمینار میں جنگ آزادی کی ابتداء سے ۱۹ویں صدی تک کے مختلف ادوار پر مقالے پیش کئے جائیں گے۔

جامعہ کے اقلیتی کردار پر جلسہ

نئی دہلی- یہاں مرکز جماعت اسلامی ہند کے کانفرنس ہال میں ۳رفروری کو ابوالفضل انکلیو ریزیڈینٹ ویلفیئر ایسوسی ایشن کی جانب سے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اقلیتی کردار کا تحفظ کے عنوان سے ایک جلسہ ہوا جس میں جامعہ کے اقلیتی کردار کے مسئلے پر متعدد مقررین نے اظہار خیال کیا جس کا مقصد مسئلے کے تئیں عوامی بیداری پیدا کرنا ہے تاکہ اقلیتی کردار کی بحالی کے لئے عوام آگے آئیں۔ جلسے میں جامعہ ٹیچرس ایسوسی ایشن کے صدر پروفیسر نصرت اللہ خاں، ایڈوکیٹ طارق صدیقی، جامعہ اقلیتی کوآرڈینیشن کمیٹی کے کنوینر الیاس ملک، جامعہ اسٹوڈنٹ یونین کے سابق صدر شمس پرویز نے تقریر کی۔ صدر مجلس نثار احمد صدر (RWA) نے اپنی صدارتی تقریر میں اس مہم کو موثر طریقے سے آگے بڑھانے پر زور دیا۔ اخیر میں سہ نکاتی قرارداد منظور کی گئی پروگرام کی نظامت پروفیسر محمد رفعت صاحب نے کی۔

بقیہ: نفسانی خواہشات......

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ اپنی کسی کمزوری کی وجہ سے جب کسی ادارہ سے الگ ہوجاتے ہیں تو اپنا سب سے اولین فرض یہ سمجھتے ہیں کہ اس ادارہ کے ذمہ دار کو مجروح کریں یہ سب اسی "اتخذالھہ ھواہ" کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ ہوس پرستی نیک کاموں حتیٰ کہ عبادت کو گناہ بنادیتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوجائے کہ دینی اداروں کی ذمہ داری وہی حضرات لیں جو اسے اللہ واسطے کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں۔ اس کے برعکس معاملہ ہوتو دنیا میں ہی نہیں اللہ کے ہاں بھی ذلت ان کا مقدر ہوسکتی ہے۔ ●●

دعوت

ایجنٹس متوجہ ہوں

درج ذیل ایجنسیوں کی ترسیل رقم کے بار بار مطالبے کے بعد بھی نہ بھیجنے پر روکی جارہی ہے۔ آئندہ ۱۰رفروری کے شمارہ سے پرچہ نہیں بھیجا جائے گا۔ خریدار حضرات سے گزارش ہے کہ وہ براہ راست دعوت کے دفتر سے پرچہ حاصل کریں:

(منیجر دعوت)

3191 Bhusawal (M.S.)

2012 Delhi

اے ارض فلسطین

مسفرہ اسلام

فلسطین پر جاری اسرائیلی جارحیت کی مذمت اور فلسطینیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لئے امیر قطر کی جانب سے بلائی جانے والی دوحہ کانفرنس نے مسئلہ فلسطین پر کوئی اثر ڈالا ہو یا نہیں لیکن اس کانفرنس نے عرب دنیا کے انتشار، مسلم حکمرانوں کی بے حسی، اور مسلمانوں کی اجتماعی نااتفاقی کو ضرور واضح کردیا۔ اقوام متحدہ کی جانب داری تو خیر عیاں ہے لیکن عرب لیگ اور او آئی سی نے بھی غزہ کی بدترین صورتحال پر ایک اجلاس بلانے کی زحمت تک نہیں کی، ایسے مایوس کن حالات میں دوحہ کانفرنس اُمید کی کرن تھی، لیکن انتہائی افسوسناک بات یہ کہ اس اجلاس میں کئی مسلم ممالک نے شرکت نہیں کی۔ ان ممالک میں مصر اور سعودی عرب جیسے اہم عرب ممالک کے ساتھ پاکستان بھی شامل ہے۔ ان ممالک نے اپنے طرز عمل سے دنیا کو جو پیغام دیا ہے وہ مسلمانوں کی تقسیم کو بہت واضح کرگیا ہے۔ ذاتی مفادات کو امت کے مفاد پر ترجیح دینا مسلم قیادت کی پرانی ریت ہے۔ ملی بے غیرتی اور بے حمایتی میں مسلم حکمرانوں نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ امریکی پٹھو امریکی ایماء پر ہونے والی جارحیت کی مذمت کیسے کرسکتے ہیں۔

۱۲۰۰ سے زائد فلسطینی صیہونیت کی بھینٹ چڑھ گئے جن میں ۴۵ فیصد تعداد معصوم بچوں اور خواتین کی ہے۔ زخمیوں کی تعداد ۵۰۰۰ سے تجاوز کرگئی ہے جو سب کے سب طبی امداد سے محروم ہیں، دوائیوں اور غذائی اجناس کا بدترین بحران ہے۔ غزہ میں موجود اقوام متحدہ کا واحد غذائی اجناس کا ڈپو بھی اسرائیلی درندگی کا نشانہ بن کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوگیا۔ انسانی حقوق کا پرچارک امریکہ خون مسلم کی ارزانی اور انسانی حقوق کی کھلی پامالیوں پر خاموش ہے۔ نہ صرف خاموش ہے بلکہ مسلمانوں کی اس نسل کشی کو جاری رکھنے کے لئے ٹنوں بارود بھی اسرائیل کو مہیا کررہا ہے۔

امریکہ کا یہ طرز عمل تو سمجھ میں آنے والی بات ہے لیکن مسلم حکمرانوں کی خاموشی بے غیرتی وبے حسی کی بدترین مثال ہے۔ یہ مفاد پرست، امریکی یہودی کاسہ لیس حکمران اتنا حوصلہ بھی نہیں رکھتے کہ فلسطین کے ان بے سروسامان لیکن جذبہ جہاد وشوق شہادت سے معمور مجاہدین کی زبانی حمایت ہی کرسکیں جو اسرائیل کے لئے قہر ثابت ہورہے ہیں اور اسرائیل کئی گنا طاقت رکھنے کے باوجود ان کے جذبہ ایمانی کو شکست دینے سے قاصر ہے۔ یہ سرفروش بیرونی امداد سے بے نیاز ہوکر اپنے رب کے بھروسے پر اپنے اصلی دشمن کے مقابل ڈٹے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہیں اپنے مسلمان بھائیوں سے کوئی امید نہیں ہے۔ فلسطین کی بیٹیاں امت کے فرزندوں کو پکار پکار کر تھک گئی ہیں لیکن محمد بن قاسم اور صلاح الدین ایوبی کے جانشینوں کے پاس اس پکار کو سننے کا وقت نہیں ہم بہت مصروف ہیں، ہم اپنا رُخ شمشیر وسنان سے طاؤس ورباب کی طرف موڑ چکے ہیں ہم مذاکرات میں بہت مصروف ہیں جہاد کرنے کا وقت کہاں سے لائیں؟ اے ارض فلسطین کے سرفروشو، قبلہ اولین کی ماؤں بہنوں اور سرزمین انبیاء کے معصوم بچو ہمیں معاف کردینا ہم بہت مصروف ہیں۔

اے فلسطین......

سلیمان و داؤد کی اے سرزمین!
اے فلسطین میرے قبلہ اوّلیں!
تیرے مجرم ہیں تیرے گنہگار ہیں......
تیرے بیٹے پہ دہشت برستی رہی اور ہم چپ رہے
زیست روتی بلکتی سسکتی رہی اور ہم چپ رہے
تیرے بیٹے تری آن پر کٹ گئے
جیب و داماں تھے خالی مگر ڈٹ گئے
کیا دیا ان شہیدوں کو ہم نے صلہ
اور بھی ٹکڑیوں میں مگر بٹ گئے
تیری بہنوں کے ماؤں کے خالی شکم
میری پرخوریوں کو نہ کرپائے کم
تیرے معصوم خوں میں نہاتے رہے
تیری جانب نہ بڑھ پائے میرے قدم
شاخ زیتون پہ برپا تھا رقص شرر
امن کی فاختہ خوں میں تھی تربتر
پھول جلتے رہے گھر سلگتے رہے
اور میں چپ رہا مثل دیوار و در
میرے قلب ونظر کی زیاں کاریاں
یہ گراں باریاں آخری انتہاؤں کو چھوتی ہوئی
بے حسی ...... بے دلی......

مسلمانوں کی ترقی سماج کی ترقی میں معاون ہوگی/امیر جماعت

نئی دہلی- ''اب وقت آگیا ہے کہ مسلمانوں کو ریزرویشن حاصل کرنے کی تحریک تیز کردینا چاہئے۔ ریزرویشن مسلمانوں کا جائز مطالبہ ہے کیوں کہ سرکار نے خود ہی رنگ ناتھ مشرا کمیشن اور جسٹس سچر کمیٹی کی رپورٹوں میں یہ تسلیم کیا ہے کہ مسلمان اس ملک کے دلتوں سے بھی پسماندہ ہیں تو اسے پسماندگی کی بنیاد پر ریزرویشن دینے میں کیا تامل ہے۔ میرے خیال میں مسلمانوں کی سماجی اور اقتصادی حالت کی بہتری ملک کی ترقی میں معاون ومددگار ثابت ہوگی۔'' ان خیالات کا اظہار محترم امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے یکم فروری کو انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر میں منعقدہ نیشنل کنونشن برائے مسلم ریزرویشن کے مندوبین سیشن میں اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا۔ اس کنونشن کا اہتمام جوائنٹ کمیٹی آف مسلم آرگنائزیشن امپاورمنٹ (JCMOE) نے کیا تھا جس میں جماعت اسلامی ہند، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت سمیت ملک کی دیگر سرکردہ تنظیموں نے شرکت کی۔ محترم امیر جماعت نے یقین دلایا کہ ریزرویشن حاصل کرنے کے لئے کی جانے والی تمام کوششوں میں جماعت اسلامی ہند کی مکمل تائید وحمایت حاصل ہوگی۔ اس سے قبل کنونشن کے کنوینر سابق ممبر آف پارلیمنٹ جناب سید شہاب الدین نے کنونشن کے اغراض ومقاصد پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ معروف ماہر تعلیم جناب سید حامد چانسلر جامعہ ہمدرد نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ حکومت نے مسلمانوں کو ریزرویشن ابھی تک اس لئے نہیں دیا کہ مسلمانوں نے اس کے لئے موثر مہم نہیں چلائی۔ اس کے دیگر عوامل بھی رہے ہیں انہوں نے کہا کہ حیرت کی بات ہے ریزرویشن پر خود مسلمانوں کی جانب سے اعتراضات کئے جاتے رہے ہیں جب کہ آئین سازوں نے یہ واضح کردیا تھا کہ Class کے زمرے میں اقلیتیں بھی آجاتی ہیں جو سماجی اور اقتصادی طور پر پسماندہ ہیں انہیں بھی ریزرویشن دیا جائے لیکن اس کا فائدہ مسلمانوں کو نہیں پہنچایا گیا۔ ہمیں ریزرویشن کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے تحریک چلانی چاہئے نیز ہمارے سیاست دانوں کو یہ بات اپنی پارٹیوں پر واضح کردینا چاہئے کہ مسلمانوں کا ووٹ اس پارٹی کو ملے گا جو ریزرویشن دے گی۔ میرے خیال میں مسلمانوں کے ریزرویشن کا مطالبہ ہر اعتبار سے درست ہے اس میں کوئی قانونی اور سیاسی رکاوٹ ہرگز نہیں ہے۔ کمی ہے تو صرف مضبوط سیاسی قوت ارادی کی۔

نیز ہمیں ماضی کی غلطیوں کو پس پشت ڈال کر نئے سرے سے ریزرویشن حاصل کرنے کی تحریک چلانا ہوگی۔ کنونشن کے پہلے سیشن کے صدر سابق چیف جسٹس اے ایم احمدی نے مئی ۲۰۰۷ میں پیش کی گئی جسٹس رنگناتھ مشرا کمیشن کی رپورٹ جاری کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ سیکولر سیاسی پارٹیوں اور مہذب سماج کو ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ کمیشن کی سفارشات پر عمل درآمد کے لئے راستہ ہموار ہوسکے۔ انہوں نے کہا کہ ریزرویشن دیئے جانے کے لئے جن بنیادوں کی ضرورت ہے وہ سچر کمیٹی کی رپورٹ نے فراہم کردی ہیں لہٰذا اب اس میں تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے۔ ان کے علاوہ مرکزی وزیر رام ولاس پاسوان، سی پی آئی کے جنرل سکریٹری اے بی بردھن، فارورڈ بلاک کے جنرل سکریٹری دیو برت بسواس نے بھی کنونشن کے مطالبات کی تائید میں تقریر کی۔ پروگرام کے اختتامی سیشن کی صدارت ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں نے کی۔ اس موقع پر سابق کیبنیٹ سیکریٹری حکومت ہند ظفر سیف اللہ، معروف ماہر معاشیات ڈاکٹر ابوصالح شریف، عیسائی مذہبی لیڈر فادر ڈومینیک ایمنول، پی اے انعام دار معروف ماہر تعلیم پونہ، ایم جے خان، ای عبد الرحمٰن، اسلامک اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن کے سیکریٹری شاہ نواز ریحان، اختر حسین اختر پروفیسر ایم جواہر اللہ، ڈاکٹر کے عبدالستار چنئی، جسٹس محمد یامین جے پور اشفاق کریم سمیت دیگر لوگوں نے بھی اظہار خیال کیا۔ پروگرام کے اخیر میں کنوینر سید شہاب الدین صاحب نے مسودۂ تجاویز کو پیش کیا جسے دیگر مندوبین نے حمایت کی۔

ملک کے جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکنے کی تیاری

مولانا اسرار الحق قاسمی

سنگھ پریوار متعدد زبانوں، مذہبوں، ذاتوں اور برادریوں والے اور رنگارنگ تہذیب کے حامل ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کے لیے اپنے قیام کے پہلے روز سے ہی سرگرم عمل ہے۔ کیونکہ یہ ملک کی قدیم روایات وخصوصیات کو پیروں تلے روندکر ایک ایسے ملک کا خواب دیکھتا رہا ہے، جس میں صرف مخصوص فرقہ کے لوگ ہی بودوباش اختیار کرسکیں، نہ عیسائی، نہ جینی اور نہ بودھ۔ 1947ء میں جب ملک آزاد ہوا تب بھی آر ایس ایس کے کارکنان یہی چاہتے تھے کہ آزاد ملک ہندو فرقہ کے مخصوص طبقے کے ہاتھوں میں ہی تمام اختیارات ہونے چاہئیں اور کسی دوسرے مذہب یا فرقہ کے لیے اس ملک میں کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ مزید یہ کہ ملک کا آئین ونظام بھی انہی کے مطابق ہونا چاہیے مگر چونکہ ہندوستان میں متعدد ذاتیں، برادریاں، طبقات بمختلف رنگ ونسل اور مذاہب کے لوگ قدیم زمانے سے ہی آباد ہیں اور ان سب نے بے پناہ قربانیوں کے نتیجے میں ہی ملک آزاد ہوا تھا اس لیے ان کی قربانیوں کو یکسر فراموش کرکے ان کے وجود کو خطرہ میں نہ ڈال کر ایسا آئین ترتیب دیا گیا جس میں تمام طبقات کے حقوق یکساں رکھے گئے اور ہزاروں سال پرانے ہندوستان کی خصوصیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نئے ہندوستان کی تعمیر عمل میں لائی گئی۔ سنگھ پریوار کو آزاد ملک میں جمہوری نظام وآئین سے اتفاق نہیں ہوا وہ "ہندوراشٹر" کے نظریہ کو لے کر ملک کے سیکولر نظام کا دشمن بن گیا۔ پورے ہندوستان پر اپنا حق جتانے والے اس پریوار نے سب سے پہلے اپنی جارحیت کا نشانہ ملک کی آزادی کے سرخیل اور ہیرو گاندھی جی کو ہی بناڈالا۔

سنگھ پریوار نے ملک بھر میں اپنی جڑیں مضبوط کرنے اور افرادی قوت بڑھانے کے لیے فرقہ وارانہ منافرت کا ایک لمبا سلسلہ شروع کیا اور بھیانک فسادات کا ایک لمبا سلسلہ چھیڑ دیا۔ یوں تو فسادات کی زد میں سکھوں اور عیسائیوں کو بھی لیا گیا تاہم مسلمانوں کو خاص طور سے نشانہ بنایا گیا۔ اس کا ثبوت آزادی کے بعد سے اب تک منظر عام پر موجود میں لائے جانے والے ہزاروں ہندو مسلم فسادات ہیں۔

ملک کے مسلمانوں کے خلاف جذباتی نعروں اور ان پر بھیانک الزامات لگا کر آر ایس ایس اور اس کی ذیلی تنظیموں نے یقینا اپنی افرادی قوت میں اضافہ کرلیا۔ متعدد رپورٹوں کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ آج ان سخت گیر گروہوں کے پاس ایسے افراد کی کثیر تعداد ہے جو پرتشدد واقعات انجام دینے اور فساد مچاکر بہت سے لوگوں کو جانی ومالی نقصان پہنچانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ گجرات فساد کے دوران جو لوگ بڑھ چڑھ کر درندگی کا مظاہرہ کررہے تھے، وہ خاصی تعداد میں تھے، ان کے سروں پر بھگوا پٹیاں تھیں۔ وہ ترشول اور خطرناک ہتھیاروں سے لیس تھے۔ مہاراشٹر میں نونرمان سینا اور شیوسینا کا قہر ہنوز جاری ہے اور ان گروہوں کے لیڈران کی جانب سے عوام کو تشدد اختیار کرنے اور ملک کے حالات کو بگاڑنے کے لیے اکسایا جارہا ہے۔

اگرچہ آر ایس ایس اور اس سے وابستہ تنظیمیں خود کو ملک کا وفادار اور دوسرے طبقات کو ملک کا غدار کہتے نہیں تھکتیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خود ملک کی دشمن ہیں اور ملک میں بغاوت پھیلانا چاہتی ہیں۔ اپنے ناپاک مقاصد کے حصول کے لیے سنگھ پریوار ایک ایسے ملک سے بھی اتحاد کررہا ہے جسے موجودہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد کہاجاسکتا ہے۔ سنگھ پریوار اور اسرائیل کے مابین اتحاد کی خبریں اگرچہ اس سے پہلے بھی وقتاً فوقتاً منظر عام پر آتی رہی ہیں تاہم اے ٹی ایس کے ذریعہ مالیگاؤں بم دھماکوں کے جرم میں گرفتار لیفٹننٹ کرنل پرساد پروہت، سادھوی پرگیا سنگھ ٹھاکر اور سوامی دیانند پانڈے، راکیش دھاوڑے، میجر ریٹائرڈ رمیش اپادھیائے، شونارائن کل سنگرا اور ان کے دیگر ساتھیوں سے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں انہوں نے اس بات کو صاف کردیا ہے کہ سنگھ پریوار اسرائیل کی مدد سے ہندوستان میں خطرناک کارروائیاں انجام دینے میں مصروف ہے۔

مالیگاؤں کیس سے متعلقہ چار ہزار سے زائد صفحات پر مبنی جو چارج شیٹ خصوصی عدالت میں پیش کی گئی ہے اس میں گرفتار کیے گئے سادھوی پرگیا، سوامی دیانند اور کرنل پروہت سمیت 11 دہشت گردوں کے خلاف وافر تعداد میں ثبوت موجود ہیں۔ اسرائیل کی مدد سے ہندوراشٹر بنانے کی خطرناک منصوبہ بندی کی تفصیلات بھی اے ٹی ایس کو حاصل ہوچکی ہیں۔ چارج شیٹ میں کہا گیا ہے کہ پروہت نے الگ آئین اور الگ ہندوراشٹر کی تشکیل کا پروپیگنڈا کرنے کی غرض سے 2007 میں ہندتووادی تنظیم ابھنو بھارت تشکیل دی اور ہندوراشٹر کے قیام کے مقصد سے لیفٹننٹ کرنل پروہت اور دیگر ملزمین نے ضرورت پڑنے پر اسرائیل سے مدد لینے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ”سوامی دیانند پانڈے کے لیپ ٹاپ سے حاصل ہونے والی ایک آڈیو ریکارڈنگ میں لیفٹننٹ کرنل پروہت نے بتایا کہ ”مسلح آریہ ورت حکومت کے قیام کے لیے اس نے اسرائیل سے مدد طلب کی ہے اور اسرائیل ہتھیار فراہم کرنے کے لے تیار ہے“ کرنل پروہت نے اسرائیل کی جانب سے سیاسی وسفارتی تعاون دینے کی بات بھی کہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ بعض رپورٹوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسرائیل میں جلاوطن حکومت (ہندوراشٹر) قائم کرنے کے متبادل منصوبے کو عملی شکل دینے پر بھی غور کیا جارہا تھا۔ اتنے سارے ثبوتوں کے بعد اب اس میں کوئی شک باقی ہی نہیں رہا کہ سخت گیر ہندو جماعتیں اور اسرائیل دونوں مل کر ہندوستان میں خطرناک منصوبوں پر عمل پیرا ہیں۔

ظاہری بات ہے کہ اسرائیل کے ساتھ سخت گیر ہندو جماعتوں کا اتحاد اور مشترکہ طور پر زیر غور وزیر عمل منصوبہ بندیاں ایک دو مہینے میں پوری نہیں ہوگئیں بلکہ یہ سب کچھ گزشتہ کئی سالوں یا کئی دہائیوں سے کیا جارہا ہوگا لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ حکومت یا خفیہ ایجنسیوں کو چند ماہ قبل تک اس کی بھنک بھی نہیں تھی۔ اگر تفتیشی ایجنسیاں اسرائیل کی مدد سے ملک کے شدت پسند گروہوں کی دہشت گردی کا پتہ لگانا چاہتیں تو بم دھماکوں میں استعمال کیے جانے والے بموں کی ساخت، ان میں پائے جانے والے کیمکلز، ملک بھر میں جہاں تہاں پھیلا ہوا دہشت گردوں کا نیٹ ورک اور ای میل کے ذریعہ ملنے والے پیغامات اور ان کی زبان وانداز سے بآسانی پتہ لگاسکتی تھیں لیکن ہماری ایجنسیوں اور پولس نے اس بارے میں سوچنے تک کی بھی زحمت نہ کی۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ یاتو ہمارے ملک کی خفیہ ایجنسیاں جو ملک یا ملک کے باہر کام کررہی ہیں وہ اپنے فرائض سے غافل ہیں اور فعال ہونے کی بجائے جمود کی شکار ہیں یا پھر وہ جان بوجھ کر سخت گیر جماعتوں اور اسرائیل کی سانٹھ گانٹھ کو نظرانداز کررہی تھیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ کوئی معمولی بات تھی جس سے ہوشیار رہنا ضروری نہیں تھا؟ کیا ملک کے موجودہ آئین ونظام کو ختم کرنے اور اسرائیل کی مدد سے ملک بھر میں دہشت گردانہ واقعات کو انجام دینے کی کوشش ملک کی سالمیت کے لیے خطرناک نہیں ہے؟ تشویشناک بات تو یہ ہے کہ حکومت اس معاملے میں افسوسناک حد تک بے حسی کا ثبوت دیتے ہوئے اسرائیل کو اپنے ملک میں قدم جمانے کا موقع فراہم کررہی ہے اور تخریب کار ظالم وجابر اسرائیل کے ساتھ دوستی کو حکومت فخر خیال کررہی ہے۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ ٹھوس ثبوتوں اور تفصیلات کے آجانے کے بعد بھی نہ سنگھ پریوار کے خلاف کوئی قدم اٹھایا گیا ہے اور نہ ہی ملک میں اسرائیل کے بڑھتے اثرورسوخ کو کم کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ شاید حکومت یہ سمجھتی ہے کہ سنگھ پریوار اور اسرائیل کا اتحاد صرف مسلمانوں ہی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا جن سے اسے کوئی لینا دینا نہیں۔ اگر حکومت یا اہم سرکاری عہدیداروں کی یہ سوچ ہے تو یہ ناقص سوچ ہے۔ کیونکہ آر ایس ایس اور اسرائیل کی تخریبی اور خطرناک کارروائیاں صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہ رہیں گی بلکہ ان کی سازشوں اور منفی کارروائیوں سے پورا ملک متاثر ہوگا، ملک کا نظام متاثر ہوگا، ملک کا آئین متاثر ہوگا۔ کچھ بعید نہیں کہ دنیا کے یہ خطرناک گروہ ملک کے حالات کو اس قدر دگرگوں کردیں کہ صدیوں تک اس کی تلافی نہ ہوسکے۔ لفٹننٹ کرنل پروہت اور میجر ریٹائرڈ رمیش اپادھیائے کا دہشت گردی میں ملوث ہونا اور اسرائیل سے سانٹھ گانٹھ کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہمارے ملک کی فوج میں شامل بعض عناصر ملک کے موجودہ نظام کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہورہے ہیں اور خطرناک انقلاب لانے کے لیے یہ فوجی اسرائیل سے سازباز کررہے ہیں۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ملک کی فوج میں اسرائیل کا اثرورسوخ بھی بڑھتا جارہا ہے۔ اگر فوجیوں میں دن بدن اس طرح کے رجحانات پرورش پاتے رہے اور وہ اسرائیل کے اشاروں پر کام کرنے لگے تو ملک کا کیا ہوگا، غورطلب امر ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ مسلم دشمنی کی بنیاد پر خطرناک مجرموں کو نظرانداز کرنے کی ملک کو بڑی قیمت چکانی پڑسکتی ہے۔

یہ وقت دہشت گردی اور ملک میں تخریب کاری پھیلانے والے گروہوں کے خلاف سخت فیصلے لینے کا ہے۔ یہ وقت اسرائیل سے تعلقات وسیع کرنے کا نہیں، منقطع کرنے کا ہے، یہ وقت آر ایس ایس اور اس کی ذیلی تنظیموں کو ڈھیل دینے کا بھی نہیں بلکہ ان کے خلاف سخت سے سخت قدم اٹھانے کا ہے۔

●●

اوباما کے امن ایلچی جارج مچل — ناکامی کے نقیب

آصف جیلانی (لندن)

عام طور پر تاریخ سے بے خبری بے انتہا باطل توقعات کو جنم دیتی ہے۔ یہی صورت حال صدر اوباما کی طرف سے مشرق وسطیٰ میں امن کے قیام اور اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے درمیان صلح کے لئے اپنے خاص ایلچی کی حیثیت سے سابق سینیٹر جارج مچل کے تقرر پر ان کی تعریف میں ایسے زبردست ڈونگرے برسائے گئے اور شمالی آئرلینڈ میں آئرش ری پبلکن آرمی کی جنگ کے خاتمے میں ان کے کامیاب کردار کی توصیف کا اتنا شور وغوغا مچا کہ یہ تاریخی حقیقت پس پردہ چلی گئی کہ یہ پہلا موقع نہیں کہ جارج مچل مشرق وسطیٰ میں امن مشن پر مامور ہوئے ہیں۔ آٹھ سال پہلے انہیں یہی مشن تفویض کیا گیا تھا اور وہ اس بناء پر ناکام رہے تھے کہ کسی نے ان کے منصوبے پر عمل نہیں کیا۔

ستمبر 2000ء میں جب سابق اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون نے مسجد اقصیٰ میں گھس کر فلسطینیوں کو مشتعل کیا تھا اور اس کے نتیجے میں فلسطینیوں کا دوسرا انتفاضہ شروع ہوا تھا تو صدر بل کلنٹن نے جارج مچل کو انتفاضہ کے خاتمے اور اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے درمیان امن کا عمل شروع کرنے کی تدابیر مرتب کرنے کا مشن تفویض کیا تھا۔ جارج مچل نے اپنا تجزیہ اور امن کے قیام کے لئے اپنا منصوبہ اپریل 2001ء میں بل کلنٹن کے جانشین جارج بش کو پیش کیا تھا۔

جارج مچل کا تجزیہ تھا کہ اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے درمیان معرکہ آرائی کے لئے دونوں برابر ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے سفارش پیش کی تھی کہ اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے درمیان فی الفور جنگ بندی عمل میں آئے اور اعتماد سازی کے اقدامات کئے جائیں۔ اس سلسلے میں جارج مچل نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اسرائیل نے 1949ء کی جنگ کے خاتمے کے بعد جنگ بندی سرحد کے پار فلسطینی علاقوں میں جتنی بھی یہودی بستیاں آباد کی ہیں وہ یکسر ختم کی جائیں۔ 1967ء کی جنگ کے بعد سے اب تک پانچ لاکھ یہودی غرب اردن اور یروشلم کے قرب جوار میں آباد کئے گئے ہیں۔ جارج مچل نے اپنی سفارشات میں کہا تھا کہ فلسطینی انتظامیہ اپنا انتفاضہ ختم کرکے دہشت گرد کارروائیوں کو روکنے کی سو فیصد کوشش کرے اور اپنی سیکورٹی فورسز میں اصلاحات کرے۔ جارج مچل کا یہ منصوبہ صدر بش کے وزیر خارجہ کولن پاول نے تو قبول کرلیا لیکن اس پر ایک سال بعد تک صلاح مشورہ اور بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون نے یہودی بستیوں کے خاتمے کی تجویز مسترد کردی اور کولن پاول کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ ایریل شیرون پر دباؤ ڈالیں اور انہیں اس منصوبے کی حمایت پر راضی کرسکیں۔ آخر کار صدر بش نے مچل منصوبہ تہہ کرکے رکھ دیا۔ بعد میں اسی منصوبے کی بنیاد پر سی آئی اے کے سربراہ جارج ٹینٹ نے نقشہ راہ (روڈ میپ) کے نام سے منصوبہ پیش کیا جواب بھی مشرق وسطیٰ کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا ہے۔

جہاں تک جارج مچل کی شمالی آئرلینڈ میں خانہ جنگی کے خاتمے کی کوششوں میں کامیابی کا تعلق ہے، بلاشبہ یہ قابل تعریف ہے کہ وہاں ساٹھ سال کے بعد امن قائم ہوا۔ لیکن شمالی آئرلینڈ میں کامیابی کی بنیاد پر مشرق وسطیٰ میں ان کی کامیابی کی توقع کرنا نادانی ہوگی۔ شمالی آئرلینڈ کا مسئلہ فلسطین کے مسئلے سے یکسر مختلف تھا۔ شمالی آئرلینڈ میں رومن کیتھولک مذہبی اقلیت اپنے جمہوری حقوق کے لئے جنگ لڑرہی تھی اور بنیادی مقصد آئرلینڈ کا دوبارہ اتحاد تھا۔ یہ جزیرہ بارہویں صدی میں انگریزوں کے نوآبادیاتی قبضے کے بعد مذہبی بنیادوں پر تقسیم ہوگیا تھا۔ شمالی آئرلینڈ کو جہاں اکثریت پروٹسٹنٹ فرقے کی ہے، برطانیہ میں ضم کردیا گیا اور جمہوریہ آئرلینڈ کا ایک عرصے تک برطانیہ کے زیرتسلط رہا۔ لیکن وہاں آزادی کی تحریک اٹھی اور کیتھولک فرقے کی اکثریت اس جنگ میں کامیاب رہی اور اب وہاں اس کی حکمرانی ہے۔

شمالی آئرلینڈ میں رومن کیتھولک بھلے مذہبی عقائد کی بناپر اپنے جمہوری حقوق سے محروم تھے لیکن وہ فلسطینیوں کی طرح اپنے وطن سے نہیں نکالے گئے تھے۔ اور جس طرح فلسطینیوں کی سرزمین اور ان کی جائداد اور املاک پر باہر سے آنے والے یہودیوں نے قبضہ کرلیا ہے اس طرح شمالی آئرلینڈ کی زمین پر کسی نے قبضہ نہیں کیا تھا۔ اور شمالی آئرلینڈ کے رومن کیتھولکس کے علاقوں کا اس سفاکانہ انداز سے محاصرہ نہیں کیا گیا جس طرح اسرائیلی فوجوں نے غزہ کا محاصرہ کررکھا ہے، اور نہ انہیں غزہ کے عوام کی طرح بائیس روز تک ہولناک جنگ کی تباہی اور بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔

غرض شمالی آئرلینڈ میں خانہ جنگی کی نوعیت فلسطین سے بالکل مختلف تھی اور چونکہ آئرش عوام کے امریکہ سے اس بنا پر خاص تعلقات ہیں کہ آئرش تارکین وطن کی ایک بڑی تعداد امریکہ میں آباد ہے اور نہایت بااثر ہے، اور یہی امریکی آئرش آئی آر اے کی زبردست مالی مدد کرتے تھے۔ لہٰذا امریکی آئرش عناصر کے آئی آر اے پر اثر ورسوخ کے بل پر جارج مچل شمالی آئرلینڈ کی خانہ جنگی ختم کرانے میں کامیاب رہے۔

جارج مچل کے تقرر کے اعلان کے موقع پر صدر اوباما نے جو تقریر کی وہ دراصل جارج مچل کے مشن سے پہلے ہی ان کی ناکامی کی نقیب تھی۔ صدر اوباما نے اس تقریر میں مشرق وسطیٰ کے بارے میں کسی نئی پالیسی کا کوئی اعلان نہیں کیا، بلکہ وہی پرانا امریکی رہنماؤں کا رٹارٹایا موقف اختیار کیا جس پر پچھلے آٹھ برس سے جارج بش عمل پیرا رہے ہیں۔ صدر اوباما نے اسرائیل کے دفاع کے حق پر تو زور دیا اور پیمان کیا کہ وہ اس کی بھرپور حمایت کریں گے لیکن انہوں نے فلسطین کی سرزمین پر اسرائیل کے سراسر ناجائز اور بین الاقوامی قانون اور اقدار کے منافی قبضے اور تسلط کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ ان ظالمانہ فیصلوں کے بارے میں کچھ کہا جو اسرائیل نے فلسطینیوں کی سرزمین پر انہیں چھوٹے چھوٹے علاقوں میں قید کرنے کے لئے کھڑی کی ہیں۔ صدر اوباما نے حماس کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا اور اسرائیل کو یقین دلایا کہ وہ حماس کو دوبارہ مسلح ہونے سے روکنے کے لئے بھرپور اقدامات کریں گے۔ لیکن وہ یہ حقیقت نظر انداز کرگئے کہ اسی حماس نے عام انتخابات میں اکثریت حاصل کی تھی جسے امریکہ اور اسرائیل نے مل کر اقتدار سے محروم کردیا تھا اور جب حماس نے غزہ میں نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لیا تو اسرائیل نے اس پٹی کا محاصرہ کرکے غزہ کے پندرہ لاکھ عوام کا اقتصادی طور پر گلا گھونٹنے کی کوشش کی۔ اب اسلحہ کی ترسیل روکنے کے بہانے غزہ کے عوام کی اقتصادی ناکہ بندی اور محاصرے کو قانونی جواز پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

صدر اوباما نے مطالبہ کیا کہ حماس اسرائیل کے وجود کو تسلیم کرے، تشدد ترک کرے اور تمام پرانے سمجھوتوں پر عمل کرے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ حماس نے کسی سمجھوتے پر دستخط نہیں کئے دوسرے حماس کا یہ موقف جائز ہے کہ جب تک اسرائیل فلسطین کی سرزمین پر مسلط ہے اُس کے ساتھ صلح یا جنگ بندی کا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔

صدر اوباما اس موقع پر یہ بھول گئے کہ امریکہ ہر سال اسرائیل کو ایک ارب ڈالر کی فوجی امداد فراہم کرتا ہے اور غزہ میں ۲۲ روز کی جنگ کے دوران امریکہ نے سفید فاسفورس بم اور دوسرے جدید ہتھیار نہتے فلسطینیوں کے خلاف استعمال کرنے کے لئے اسرائیل کو فراہم کئے تھے۔

مشرق وسطیٰ کے قلب میں امریکی فوجی چوکی کی حیثیت سے پچھلے ساٹھ برس سے اسرائیل کے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے امریکہ جس سفاکی سے فلسطینیوں کی آزادی اور ان کے حقوق کو پامال کررہا ہے اور امریکہ میں قیادت کی تبدیلی کے باوجود صدر اوباما نے جو سابقہ امریکی موقف برقرار رکھا ہے اس کے پیش نظر بہت کم لوگوں کو توقع ہے کہ ان کی انتظامیہ اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے تنازعے کے تصفیے کے لئے کوئی مخلصانہ کوشش کرسکے گی اور کوئی نئی راہ تلاش کرنے میں کامیاب رہے گی۔ اس صورت حال میں جارج مچل کا مشن بے سود نظر آتا ہے۔

●●

اتحاد ملت، وقت کا اہم تقاضا

پروفیسر محب اللہ، الہ آباد

مسلمانوں پر دہشت گردی کے الزامات اور اسی حوالے سے دار وگیر قید وبند اور انکاؤنٹر کے واقعات نے جہاں ایک طرف پوری ملت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، وہیں دوسری جانب اغیار کی نظر میں مشکوک بنادیا گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں ملت اسلامیہ کے اندر خوف وہراس اور احساس جرم پیدا کردیا گیا ہے۔ انفرادی طور پر جن افراد کو مشکلات سے گزرنا پڑرہا ہے اور جان دینی پڑرہی ہے۔ وہ تو ہدف ہیں ہی، بڑا ہدف یہ ہے کہ پوری ملت کو کچل کر رکھ دیا جائے۔ بالخصوص ہمت وحوصلہ کے ساتھ سر اٹھا کر جینے والوں، اسلامی دعوت ومسلم کاز کے لئے سرگرم افراد، اداروں اور تنظیموں کے حوصلے پست کردیے جائیں اور ایسی فضا بنادی جائے کہ دور دور تک لوگ مذکورہ سرگرمیوں کے حوالے سے متحرک دکھائی نہ دیں۔

اسلامی دہشت گردی کا ہوّا ایک منظم سازش کے تحت ۱۱/۹ کرنے کے بعد کھڑا کیا گیا۔ اور اس طرح ۱۱/۹ کو دہشت گردی کے مسالے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد جارج بش نے کہا تھا کہ اگر آپ دہشت گردی کے حوالے سے ہماری بات نہیں مانتے، ہماری حمایت نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہمارے مخالف ہیں۔ یہ بات انتہائی عجیب وغریب ہے۔ اس لہجہ نے لوگوں کو یہ موقع ہی نہ چھوڑا کہ وہ سوچ سکیں کہ کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ کس نے کیا؟ ثبوت کیا ہے؟ بلکہ گلی کے جھگڑے کی طرح ”مارلو، مارلو“ کی آواز سن کر بغیر جانے بوجھے لوگ ٹوٹ پڑے۔ اور میڈیا نے اپنے متعصبانہ رویہ کے مطابق جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا۔ ہر حادثے اور واقعہ کو رنگین عینک سے دیکھا اور رپورٹنگ کی۔ اس طرح دہشت گردی واقعی ایک مسئلہ بنادی گئی۔ یہ اس ڈرامے کے عالمی اسٹیج کی بات تھی۔ بعد میں اسی طرح کے ڈرامے کو ۱۱/۲۶ کے دن ملکی سطح پر اسٹیج کیا گیا۔ جس کے ذریعہ زد میں آرہے سنگھ پریوار کو بچالیا گیا۔ اور جو شخص سنگھ پریوار کے دہشت گرد چہرے کو بے نقاب کررہا تھا اسے بھی راستے سے ہٹادیا گیا۔

ہر ملک کے کچھ داخلی مسائل ہوتے ہیں یا ایسی شخصیات ہوتی ہیں جنہیں مسائل پروان چڑھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دہشت گردی کا فارمولہ بڑا کارآمد ثابت ہوا۔ انہوں نے اس کی آڑ میں اپنے مفادات کا تحفظ حاصل کیا۔ بدقسمتی سے ہمارا ملک بھی داخلی مسائل سے دوچار ہے۔ سیاسی آسمانوں میں اونچی اڑان کے متمنی بہت سے پرندے پائے جاتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو اپنے خوابوں کا ہندوستان تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے افراد اور جماعتوں کے اپنے منصوبے ہیں۔ اور ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کو اسی منصوبے میں ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ ہندو مسلم فسادات کے نام سے ہونے والے واقعات جو دراصل مسلم کش قتل عام ہوتے تھے، آزادی کے ساتھ ہی مسلمانوں کا مقدر ہوچکے تھے۔ اور اب دہشت گردی کے بنے بنائے عالمی اسٹیج نے یہاں سرکاری ایجنسیوں کو پروانہ دے دیا کہ جو کچھ پہلے دوسری تکنک سے بالواسطہ طور پر کیا جاتا تھا اب وہ انتہائی قانونی تحفظ کے ساتھ علی الاعلان کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں انعام واکرام کی سوغات الگ سے حصہ میں آتی ہے۔

کیا یہ ایک زندہ حقیقت نہیں ہے کہ اس ملک میں ایک مدت سے باقاعدہ جنگجو تنظیمیں موجود ہیں۔ جو آئے دن مسلح ہوکر قانون اور دستور کو نیست ونابود کرنے پر تلی رہتی ہیں۔ ان تنظیموں کی مختلف علاقوں میں متوازی حکومتیں بھی قائم ہیں۔ اور یہ باتیں ریکارڈ پر موجود ہیں کہ ان کو مین اسٹریم میں لانے کے لئے باقاعدہ حکومتی نمائندے ان سے ملاقاتیں کرتے ہیں اور مذاکرات فرماتے رہے ہیں۔ لیکن کیا یہ حیرت کا مقام نہیں ہے کہ کبھی ان کو دہشت گرد نہیں کہا گیا۔ کبھی ان کی مذہبی شناخت پر زور نہیں دیا گیا۔ ان کی وجہ سے ان کے مذہبی بھائیوں کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا گیا۔

ابھی کل کی بات ہے کہ اسی ملک کے ایک صوبے میں ایک خاص مذہبی وسیاسی نکتہ نظر رکھنے والی جماعت کے ایک لیڈر نے ملک کے باشندوں میں تفریق کی جڑیں مضبوط کرتے ہوئے کچھ لوگوں کو وہاں سے نکل جانے کی وارننگ دی۔ لیکن وہ اس سب کے باوجود آنکھوں کا تارا اور دھرتی کا لال ہی بنا ہوا ہے۔ اگر کسی مسلمان نے کوئی ایسی بات کہی ہوتی جس سے غلط تاویل کے ذریعہ بھی ایسے معنی نکالے جاسکتے تو وہ بہت آرام سے غدار وطن دیش دروہی اور دہشت گرد قرار پاتا اور معاملہ صرف اسی فرد تک نہ رہتا بلکہ اس کی ذات برادری اور مذہبی بھائی بھی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے کردیے جاتے۔

دہشت گردی کے حوالے سے جو کچھ ہورہا ہے جس طرح معصوم لوگوں کو پھنسایا جارہا ہے۔ ایک خاص مذہبی اقلیت کو ہدف بنایا جارہا ہے اور جس انداز سے بے گناہوں کو دہشت گرد بتا کر جیلوں میں ٹھونسا اور انکاؤنٹر کیا جارہا ہے۔ اور جو اصل مجرم ثابت ہورہے ہیں انہیں بچایا جارہا ہے، ان پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جارہی ہے، اس دوہرے معیار کو سراسر ظلم ناانصافی اور مسلم دشمنی کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے۔ یہ ایسا طرز عمل ہے کہ اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

جس سماج میں عدل وانصاف کے دو پیمانے رائج ہوجاتے ہیں تاریخ گواہ ہے کہ ایسا سماج بہت دنوں تک باقی نہیں رہ سکتا۔ ہم انسانیت کی بھلائی اور معاشرے کی خیر خواہی اسی میں سمجھتے ہیں کہ ایسی تمام ناانصافیوں کو روکیں اور ان کے خلاف آواز بلند کریں۔ ہم ہندوستان کے ہر انصاف پسند کو آواز دیتے ہیں کہ بلالحاظ مذہب وملت اس ظلم وناانصافی کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور ظلم کے خلاف ڈٹ جائیں۔

مسلمان ہونے کا منصبی فریضہ یہ ہے کہ بالخصوص اپنے مسلم بھائیوں سے کہیں کہ اسلام سراسر امن وسلامتی کا نام ہے۔ اگر آپ اپنے آپ کو مسلم کہتے ہیں تو آپ کا لازمی فریضہ ہے کہ دنیا میں امن وسلامتی کے پیغمبر بن کر رہیں۔ آپ جس نبیؐ کے اُمتی ہیں اس کا اسوہ آپ کے لئے مشعل راہ ہے۔ اسلام کی راہ میں اگر مشکلیں بھی آتی ہیں، تکلیفوں سے واسطہ پڑتا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ آپ کے نبی انہی راہوں سے گزرے ہیں

باقی صفحہ ۵ پر

اسلامی قوانین کی حکمت ومصلحت

عارف عزیز (بھوپال)

اسلام نے چودہ سو برس پہلے مسلمانوں کو یہ حق دیا تھا کہ اجماع کے ذریعہ قانون سازی کی جاسکتی ہے، مغربی دنیا نے اس سے تقریباً ایک ہزار برس بعد قانون ساز اداروں کے وسیلے سے اپنے عوام کو یہ موقع دیا کہ وہ نمائندے چن کر پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں پہنچائیں تاکہ ان کے ذریعہ قانون بنائے جاسکیں۔ اسلام نے قانون سازی کے اس حق کو احکام خداوندی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع رکھا لیکن مغرب کے نام نہاد متمدن ممالک نے اپنے قانون بنانے والے اداروں کو مکمل طور پر بااختیار بنادیا جس کے نتائج آج دنیا کے سامنے موجود ہیں کہ یہ ادارے کبھی سزائے موت منسوخ کردیتے ہیں، کبھی اس کو بحال کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

فرد کی آزادی کے نام پر آج یوروپ کے جمہوری ممالک میں جو کچھ ہورہا ہے اس سے نہ صرف عریانی، فحاشی اور بدکاری بڑھ رہی ہے بلکہ پوری انسانیت کی تذلیل کا سامان بھی ہورہا ہے۔ عام طور پر ایسے قوانین بن رہے ہیں جن سے افراد خاندان اور معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے سماجی رشتوں کی پاکیزگی ختم ہوگئی ہے، اخلاقی قدریں منہدم ہوچکی ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انسان کے دلوں سے چین وسکون رخصت ہوگیا ہے۔ مردوں کی مردوں سے اور عورتوں کی عورتوں سے نام نہاد شادی کی راہ ہموار ہوگئی ہے اس طرح رشتہ ازدواج کا حق جو انسانیت کا امتیاز تھا اسے بے شرمی اور خرمستی کے میں کام لایا جارہا ہے۔

حالانکہ ایسے تمام ممالک اس مسیحیت کے علمبردار ہیں جس کی مقدس کتاب بائبل میں قوم لوط کا حشر اور اس پر عذاب کی تفصیل موجود ہے کہ اس بستی پر جس کی طرف لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا صرف اس لئے عذاب آیا کہ وہ ہم جنسی کی لعنت میں مبتلا تھے اور برسرعام اس کا ارتکاب کررہے تھے۔

یعنی ان سے شرم وحیا قطعی اٹھ چکی تھی، یہی حال موجودہ یوروپی برادری کا بھی ہے جہاں اس قسم کے قانون بنا کر اور بدکاری کو فروغ دے کر عذاب الٰہی کو دعوت دی جارہی ہے جس کا ایک نمونہ ایڈس کی شکل میں ان کے سامنے ہے۔ یہ انتہائی خوفناک مرض امریکہ اور یوروپ کی ہی دین ہے۔ جب کہ شروع میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ بعض افریقی ممالک سے اس سنگین مرض کی داغ بیل پڑی ہے مگر بعد میں ثابت ہوگیا کہ یہ خطرناک مرض ہم جنسی کے نتیجے میں امریکہ ویوروپ میں پھیلا ہے اور آج ان ممالک میں اس کے ہزاروں مریض موت وزندگی کی کشمکش میں گرفتار ہیں۔

اسلام میں قتل کے لئے قصاص یا موت کی سزا مقرر ہے لیکن اس کے ساتھ یہ رعایت بھی دی گئی ہے کہ اگر مقتول کے وارث رضامند ہوں تو وہ خون بہا بدلہ کے طور پر کچھ رقم لے کر قاتل کو معاف کرسکتے ہیں مگر اس رقم کا تعین کرتے وقت قاتل کی حیثیت اور مقتول کے ورثاء کو سامنے رکھا جائے گا غرض یہ ہے کہ رقم اتنی ہو کہ آئندہ قاتل کو قتل کے ارتکاب سے باز رکھ سکے، دوسری جانب روزی کے لئے مقتول پر انحصار کرنے والے افراد خاندان کو اس سے مناسب مدد مل جائے۔ گویا اسلام میں شروع سے قتل کے لئے موت کی سزا کے ساتھ ساتھ اس میں بھی رعایت موجود ہے۔

ایسے فطری قانون کی مخالفت جو لوگ کرتے ہیں ان کی عقل وسمجھ پر افسوس کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ہر زمانے اور خطے کے لوگ اسلام کے قوانین کو اپناتے اور اس طرح اپنے دکھ درد کا مداوا کرلیتے۔

●●

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in , dawaturdu@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

نفسانی خواہشات: اس دور کا ایک بڑا فتنہ

مولانا ابو وحید ندوی قاسمی

ہوائے نفسانی میں مبتلا انسان

آج ہم جس دور میں جی رہے ہیں یہ زمانہ بڑے ابتلاء اور آزمائش کا دور ہے۔ ہمارے اس دور کا ایک بڑا فتنہ ہوائے نفسانی ہے جو آندھی اور طوفان کی طرح ہمارے اندر پھیلتا جا رہا ہے۔

جب کوئی انسان اس فتنے میں گرفتار ہوجاتا ہے، تو علم، تجربہ، مشاہدہ کوئی چیز بھی اس کی رہنمائی نہیں کرسکتی اور وہ بہت سی مصلحتوں اور حقیقتوں کو دیکھنے اور جاننے کے باوجود ان کی طرف سے آنکھیں بند کرلیتا ہے اور اپنی آن، ضد، غرور اور سرکشی کو عین حق قرار دیتا ہے اور اس کو بروئے کار لانے کی سیکڑوں تدبیریں عمل میں لاتا ہے۔ بیسیوں جال بچھاتا ہے اور جنون کی حالت میں نتائج کی پروا کئے بغیر غیر انسانی اور وحشیانہ حرکتیں کرتا ہے مگر افسوس کا مقام یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ طبقوں تک اس فتنے میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

ہوائے انسانی ایسی چیز ہے کہ اچھے کام کو بے روح بنا کر رکھ دیتی ہے اس لئے کہ اس کام کا مقصود رضائے خداوندی کے بجائے اپنا نفسانی جذبہ و داعیہ ہوتا ہے کہ جس کی تعبیر قرآن کریم سے ہے جب انسان نفس کا بندہ ہوجاتا ہے تو اس کی قوت فکریہ اسی ہوائے نفسانی کے پیچھے دوڑتی ہے اور مسائل ومعاملات میں سنجیدگی ومتانت سے غور وفکر کی صلاحیت جاتی رہتی ہے۔ اگر اس کے لاشعور میں دبی ہوئی حقیقت پسندی کی کوئی چنگاری اُبھرتی اور اس کی غیرت ایمانی کو جگاتی ہے تو ہوائے نفسانی کی تاویلات دم کی دم میں اس کو ختم کردیتی ہیں اور اسے کشاں کشاں نفسانی تقاضوں ہی کی طرف لے جاتی ہیں۔ انسان اگر اپنی کوتاہی عمل سے کوئی غلط کام کرتا ہے تو کسی نہ کسی مرحلے میں ہوشیار ومتنبہ ہوجاتا ہے لیکن جب غلط کام کو اپنی تاویلات سے صحیح تصور کرکے کرنا شروع کرتا ہے تب سنبھلنا اور حق کی طرف لوٹنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔

تاویلات نفسانی کبھی انسان کو حق کا حامی بھی بنا کر کھڑا کرتی ہیں

تاویلات نفسانی کبھی انسان کو حق کا حامی ومویدبھی بنا کر کھڑا کرتی ہیں جس کے نتیجے میں وہ انسان پیچھے ہٹنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوتا حالانکہ اس میں قوم وملت کا ناقابل تلافی نقصان ہوتا ہے۔ یہ بات کبھی کبھی خالص دینی اداروں اور تحریکوں میں بھی پیش آتی ہے جو قوم کے اندر بڑی بے اعتمادی پیدا کرتی ہے مگر وہ "اتخذالهه هواه" کے پھندوں میں ایسا چڑھ چکا ہوتا ہے کہ قوم ملت کے نقصان کا احساس ختم ہوجاتا ہے۔

ہوائے نفسانی کے مخلصین کی جماعت کا محبوب مشغلہ اچھے کاموں میں کیڑے نکالنا ہے

ہمارے اس عہد کی ایک انتہائی خطرناک اور مہلک بیماری یہ بھی ہے کہ جب کوئی قومی وملی کام شروع کیا جاتا ہے تو اس کے دور ابتلا میں کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کام کس طرح انجام پا رہا ہے اس کے کارکن ایثار وقربانی کے ساتھ کام کررہے ہیں اس ادارہ وتحریک کو چلانے کے لئے کس طرح تنکے چن چن کر لائے جاتے ہیں لیکن جب مخلصین کا ایثار اور ان کی قربانی رنگ لاتی ہے، تنگی کے دن ختم ہوجاتے ہیں کسی درجہ میں فراخی حاصل ہوجاتی ہے اور کام اطمینان سے ہونے لگتا ہے تو ہوائے نفسانی کے مخلصین کی ایک جماعت ان کارکنوں کا احتساب شروع کردیتی ہے۔ ان لوگوں کے اخلاص اور قوم وملت کے درد میں ایسا جوش وطغیانی پیدا ہوتی ہے کہ کسی کروٹ ان کو چین نہیں آتا، قوم کے درد میں گھلنا شروع ہوجاتے ہیں اس تخریبی وسلبی ذہن وعمل کا سبب "اتخذالهه هواه" ہے۔

تنقید واحتساب بری بات نہیں بس نفسانیت کا دخل نہ ہو

تنقید واحتساب بری بات نہیں اس سے قوم میں زندگی پیدا ہوتی ہے لیکن احتساب وتنقید کے وقت اپنا جائزہ بھی لے لینا چاہئے کہ اس تنقید کا محرک کیا ہے۔ تنقید برائے تعمیر ہے یا اس کا منشا تخریب، تحقیر اور تذلیل ہے جو ہوائے نفسانی اور دیانت طبع سے وجود میں آتی ہے اور اگر تنقید برائے تعمیر ہے اپنے نفس کو تول لیا ہے تو حرج نہیں بلکہ یہ قوم کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ انبیاء کرام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہوتا بھول چوک انسانی سرشت میں داخل ہے۔ لہٰذا اگر کہیں یہ بات ہو کہ کچھ کوتاہی ہورہی ہے تو اس کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اوّل نفس معاملہ کی تحقیق کی جائے کہ اکثر باتیں غلط فہمی پر مبنی ہوتی ہیں مگر آج کل ہمارا یہ ماحول بن گیا ہے کہ کوئی آواز کان میں پڑی یا محض قیاس کی بنیاد پر سب سے پہلا کام یہ کرتے ہیں کہ کوچہ وبازار میں اس کو شہرت دیتے ہیں۔ پوسٹر نکالتے ہیں، رسائل واخبارات میں اس کو چھاپتے ہیں جس سے شخصی کردار کشی کے ساتھ ملت کو زبردست نقصان پہنچتا ہے۔ بدگمانی وبے اعتمادی کی ایک عام فضا پیدا ہوتی ہے جو بہرحال تخریب ہی کا سامان پیدا کرتی ہے۔ اگر ہم اس پر سنجیدگی سے غور کریں اور جائزہ لیں تو اس میں نفسانیت ہی کا دخل نظر آئے گا۔

مالی نظام میں بداحتیاطی ہوائے نفسانی کے سبب سے ہوتی ہے

قومی وملی اداروں کے ذمہ داروں اور کارکن حضرات کو اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کے مالی نظام کو بہت احتیاط سے چلانا چاہئے کہ اس میں اگر ذرا بھی کوتاہی ہوئی ایک پیسہ بھی غفلت کی وجہ سے ضائع ہوا تو قیامت کے دن نہ جانے کتنے لوگ دامن پکڑیں گے کہ یہ ہزاروں اور لاکھوں افراد کے تعاون کا پیسہ ہے۔ لہٰذا سب دعویدار ہوں گے۔ حاصل یہ کہ دل کے چور پر ہر شخص کو نظر رکھنی چاہئے کہ ہوائے نفسانی ہی دنیا وآخرت کو تباہ وبرباد کرنے کا سبب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ مذہب اور دین وایمان کی نظروں ہی پر ہوتی ہے۔ بقول علامہ سید سلیمان ندوی مذہب (اسلام) کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ انسان کے دل کو مخاطب کرتا ہے اس کا سارا کاروبار اس ایک گوشت سے وابستہ ہے۔ عقائد ہوں یا عبادات، اخلاق ہوں یا معاملات انسانی عمل کے ہر گوشہ میں اس کی نظر اسی ایک آئینے پر رہتی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو نیک کام کیا جائے اس کا محرک کوئی دنیوی غرض نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے حکم کی بجا آوری اور خوشنودی ہو اسی کا نام اخلاص ہے۔

اداروں اور شخصیتوں کو مجروح کرنے کا مزاج ملت کو بہت نقصان پہنچا رہا ہے

آج اداروں اور شخصیتوں کو مجروح کرنے کا مزاج ہم کو بہت نقصان پہنچا رہا ہے۔ امت کے ہر باشعور فرد کا یہ فرض ہے کہ اس طرح کی تخریب کاریوں سے ہوشیار ہے

باقی صفحہ ۶ پر

بقیہ: دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

تعلق رکھنے والی کچھ عورتوں نے بھی کہا ہے کہ یہ مردوں اور عورتوں کا اور ان کے ہم پیشہ لوگوں کا اپنا معاملہ ہے کہ وہ طے کریں کہ کیا پہننا ان کے لئے مناسب ہے اگر آپ کو کوئی اچھی آمدنی والی ملازمت حاصل ہوجاتی ہے تو یقینی طور پر آپ کو اپنی پسند کے لباس کا حق حاصل ہے۔

میسوریڈم اور ان تنقیدوں سے خود تنقید کرنے والوں کی ذہنیت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ وہ عورتوں کو کن مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ بیشتر دفاتر اور کارگاہوں میں یونیفارم ڈریس کا نظم ہوتا ہے جہاں مردوں کو ایسا لباس استعمال کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا جس سے ان کے جسم کی نمائش ہوتی ہو۔ سردی وگرمی میں لباس کی وجہ سے کس تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔ جب کہ مغربی تہذیب عورتوں کے ساتھ یہ کھلا امتیاز کرتی ہے کہ انہیں ایسا لباس، فیشن، زیورات استعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے جو جنسی اپیل واشتعال کا باعث بنتے ہیں۔ اس طرح عورتوں کو جنسی کھلونا بنایا جاتا ہے۔ دفاتر، کارگاہوں میں عورتوں کو جنسی خواہشات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کا دفاتر اور کارگاہوں کے کام کاج پر اثر پڑتا ہے۔

امریکی صدر رسم حلف برادری میں اوپر سے نیچے تک گرم لباس جوتوں اور موزوں میں پیک نظر آتے ہیں جس سے ان کا سردی سے پوری طرح تحفظ ہوتا ہے جب کہ ان کی شریک حیات رسم حلف برداری میں کھلی ٹانگوں اور سردی سے نہ بچانے والی اونچی ہیل کی سنڈلوں کے استعمال پر مجبور دکھائی دیتی ہیں اتنا ہی نہیں رسم حلف برداری کے بعد شدید سردی کی حالت میں رقص کے دوران وہ اپنے جسم کی بھرپور نمائش کرتی دیکھی گئیں۔ نہ صرف ٹانگ بلکہ سینہ اور پشت کا بھی بیشتر حصہ عریاں تھا واقعہ تو یہ ہے کہ مغربی ذہنیت کی حامل خواتین اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے اور بلند بانگ دعوے کرنے کے باوجود خود کو ناقص العقل ثابت کرتی ہیں کہ ان کے اندر خود داری، خود اعتمادی، بالغ النظری، اپنی عصمت وعفت اور صحت کے تحفظ کا خیال تک نہیں ہوتا۔ وہ اپنا جنسی استحصال کرانے کے لئے کمربستہ نظر آتی ہیں دوسروں کو رجھاتی، ان کی جنسی خواہش کو مشتعل کرتی اور خود کو جنسی طور پر پرکشش بنا کر پیش کرتی ہیں۔ اس طرح دفاتر اور کارگاہوں میں جنسی اشتعال انگیزی کا ماحول برپا ہوتا ہے۔ یہ عورتوں کے ساتھ کھلا جنسی امتیاز ہے مرد اس طرح کا میک اَپ استعمال نہیں کرتے۔ وہ لپ اسٹک یا کاسمیٹک اس کثرت سے اپنے چہروں اور جسموں پر نہیں لتھڑتے، وہ خود اعتمادی، اور وقار کا مظاہرہ کرتے ہیں عورتوں کی طرح خود سپردگی دوسروں کو اپنی اوچھی حرکتوں سے متوجہ کرنے، مصنوعی، بناؤ سنگار کے ذریعہ پرکشش بننے کی کوشش نہیں کرتے۔ مرد کامل وہ سمجھا جاتا ہے جو اپنی عزت نفس خود داری اور وقار کا مجسمہ ہوتا ہے احساس کمتری کا مظہر نہیں گھر کے اندر میاں بیوی کی ازدواجی زندگی کے لئے ایک دوسرے کی پسند کا لحاظ رکھنا دوسری بات ہے دفاتر اور کارگاہوں، بازاروں، رقص گاہوں، کلبوں اور پارکوں میں بدنگاہ ڈالتے گھومنے والوں کو رجھانے کی کوشش کرنے والی عورتیں یقیناً، ناقص العقل، اپنا استحصال کرانے والی، خود اعتمادی سے محروم اور احساس کمتری کا بدترین نمونہ ہوتی ہیں۔ یہ معاملہ صرف بنک آف انگلینڈ اور پروفیشنل امیج کنسلٹینس فرم کا ہی مسئلہ نہیں ہے مشرق ہو یا مغرب عورت کی عزت وناموس کا احترام کرنے اور ان کے ساتھ عدم امتیاز کا سلوک کرنے کے علمبردار ہر جگہ ایسی باتیں کہتے اور کرتے نظر آتے ہیں لیکن مغربی تہذیب نے عورت کی عقل پر ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ اگر اس کو ناقص العقل کہہ دیا جائے تو آپے سے باہر ہوجاتی ہے وہ مساوات کے دعوے کرتی ہے اور عملاً ناقص العقل سے بھی بڑھ کر فاتر العقل حیوانات سے بھی کم تر وبدتر ثابت ہوتی ہے۔ اپنے ساتھ امتیاز اور استحصال کا سلوک کراتی ہے اور احساس زیاں تک نہیں کرپاتی۔ ●●

بقیہ: نئے امریکی صدر کی ٹیم میں کوئی......

ٹام ولسیک کو صدر باراک اوباما نے وزیر زراعت نامزد کیا ہے۔ اگرچہ وہ زرعی شعبے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود صدر اوباما کے نامزد کردہ ان گنے چنے عہدیداروں میں شامل ہیں جنہیں مختلف حلقوں کی جانب سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ نئی حکومت میں کلنٹن دور کی جن یادگاروں کو شامل کیا گیا ہے ان میں لیزا جیکسن بھی شامل ہیں، جنہیں تحفظ ماحول کے ادارے (ای پی اے) کا ایڈمنسٹریٹر بنایا گیا ہے۔ وہ صدر بل کلنٹن کے دور میں بھی اسی ایجنسی کے لئے کام کرچکی ہیں۔ تحفظ ماحول کے حوالے سے خدمات کے سبب انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ریاست کیلی فورنیا سے ایوان نمائندگان کی ڈیموکریٹک رکن ہلڈا سولیز کو صدر باراک حسین اوباما نے وزیر محنت نامزد کیا ہے۔ اقتصادی کساد بازاری کے باعث گزشتہ سال امریکہ میں لاکھوں کارکنوں کو روزگار سے محروم ہونا پڑا تھا، اس صورت حال نے ہلڈا سولیز کے لئے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کو ایک چیلنج بنا دیا ہے۔ صدر اوباما نے ری پبلکن پارٹی کے جن ارکان کو کابینہ میں شامل کرکے اسے متوازن بنانے کی کوشش کی ہے، ان میں ریاست الی نوئے سے کانگریس کے رکن رے لاہود بھی شامل ہیں لاہود عرب نژاد اور رومن کیتھولک عیسائی ہیں اور انہیں وزیر ٹرانسپورٹ نامزد کیا گیا ہے۔ اوباما کابینہ میں وزیر برائے ہاؤسنگ وشہری ترقیات مقرر کئے جانے والے شان ڈونووان کا تعلق ریاست نیویارک سے ہے۔ وہ اس سے پہلے امریکہ کے سب سے بڑے شہر کے کمشنر آف ہاؤسنگ پر ریزرویشن اینڈ ڈیولپمنٹ کے طور پر خدمات انجام دے رہے تھے۔

امریکی صدر باراک حسین اوباما نے جاپان نژاد جنرل (ر) ایرک شنسکی کو وزیر برائے ویٹرنز افیئرز نامزد کیا ہے۔ وہ امریکی بری فوج کے ۳۴ویں چیف آف اسٹاف تھے اور پہلے ایشیائی نژاد امریکی ہیں، جو امریکی فوج میں فوراسٹار جنرل کے عہدے تک پہنچے۔ جنرل (ر) شنسکی نے اپنے ۴۰ سالہ فوجی کیریئر کے دوران ویت نام کی جنگ میں بھی حصہ لیا، جس کے دوران وہ زخمی بھی ہوئے تھے، خارجہ امور کی ماہر سیاہ فام خاتون سوزن الزبتھ رائس کو اقوام متحدہ میں نیا امریکی سفیر نامزد کیا گیا ہے، ان کا عہدہ وزیر کے برابر ہوگا۔ جنرل (ر) جیمز لوگن جونز جونیئر کو امریکی صدر کا مشیر برائے قومی سلامتی مقرر کیا گیا ہے۔ وہ ۲۰۰۷ء میں امریکی فوج کی میرین کور کے ۳۲ویں کمانڈنٹ کے طور پر ریٹائر ہوئے تھے۔ امریکہ کے اس ریٹائرڈ فوراسٹار جنرل نے یورپ میں نیٹو افواج کے سربراہ کے طور پر بھی خدمات انجام دی تھیں۔ امریکی سی آئی اے کے ڈائریکٹر کے طور پر لیون پانیٹا کے انتخاب پر بعض مبصرین نے حیرت کا اظہار کیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں پانیٹا انٹیلی جنس کے شعبے میں مناسب تجربہ نہیں رکھتے۔ خیال کیا جارہا ہے کہ صدر اوباما نے انہیں سی آئی اے کے منفی عالمی امیج کو بدلنے کی ذمہ داری سونپی ہے۔ لیون پانیٹا اس سے پہلے وائٹ ہاؤس کے چیف آف اسٹاف کے طور پر بھی فرائض ادا کرچکے ہیں۔ اطالوی نژاد پانیٹا ۱۹۷۱ء میں ری پبلکن پارٹی چھوڑ کر ڈیموکریٹک پارٹی میں شامل ہوگئے تھے۔ امریکی بحریہ کے ریٹائرڈ ایڈمرل ڈینس سی بلیئر کو ڈائریکٹر آف نیشنل انٹیلی جنس مقرر کیا گیا ہے۔ وہ ان سابق فوجی افسران میں سے ایک ہیں، جنہیں اوباما انتظامیہ میں اہم عہدوں کے لئے چنا گیا ہے۔ وہ امریکی بحریہ کی پیسفک کمانڈ کے کمانڈر انچیف رہ چکے ہیں۔ نیوی سے ریٹائرمنٹ کے بعد ایڈمرل ڈینس بلیئر مختلف تھنک ٹینکس سے وابستہ رہے ہیں۔

باراک اوباما نے صدر امریکہ منتخب ہونے کے بعد جو سب سے پہلا تقرر کیا، وہ راہم ایمانوئیل کا تھا، جنہیں وائٹ ہاؤس کا چیف آف اسٹاف مقرر کیا گیا ہے۔ اس تقرر پر دنیا بھر کے مسلمانوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی کیونکہ راہم ایمانوئیل کو صیہونی لابی کا ایک اہم رکن سمجھا جاتا ہے۔ راہم کے مخصوص جارحانہ انداز کی وجہ سے انہیں ''ریمبو'' (Rahm-bo) بھی کہا جاتا ہے۔ وہ ڈیموکریٹک پارٹی کے ٹکٹ پر ریاست الی نوئے سے کانگریس کے رکن بھی منتخب ہوئے تھے۔ راہم ایمانوئیل سابق صدر بل کلنٹن کے بھی قریبی مشیر رہے ہیں۔ پیٹر آر اورسزیگ اقتصادیات کے ماہر ہیں۔ جنہیں نئے صدر نے وائٹ ہاؤس کے ''آفس آف مینجمنٹ اینڈ بجٹ'' کا ڈائریکٹر مقرر کیا ہے۔ وہ اس سے پہلے کانگریشنل بجٹ آفس کے ڈائریکٹر کے طور پر فرائض ادا کررہے تھے۔ صدر باراک اوباما نے اپنے معتمد مشیر اور ماہر ابلاغیات رابرٹ ایل گبز کو وائٹ ہاؤس کا نیا پریس سکریٹری نامزد کیا ہے۔ انہوں نے اوباما کی انتخابی مہم کے دوران بھی ان کے کمیونیکیشن ڈائریکٹر کے طور پر خدمات انجام دی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ رابرٹ گبز دوسرے کسی بھی مشیر سے زیادہ وقت اوباما کے ساتھ گزارتے ہیں۔ ●●

بقیہ: موقع پرستانہ سیاست...

پی نے انہیں ایک کنارے ڈال دیا تھا ایک وقت تو انہیں استعمال کیا گیا لیکن اس کے بعد پارٹی میں ان کی کوئی اہمیت نہ رہی جس کی وجہ سے ماضی میں ایک بار پہلے بھی وہ پارٹی سے علیحدہ ہوگئے تھے لیکن خاطر خواہ کامیابی نہ ملنے اور کچھ دیگر مصلحتوں کی وجہ سے وہ دوبارہ بی جے پی میں شامل ہوگئے تھے۔ بی جے پی یہ بات اچھی طرح سے جانتی ہے کہ کلیان سنگھ کی پسماندہ ووٹروں میں کوئی خاص گرفت نہیں ہے اور ان کے دوبارہ پارٹی سے علیحدہ ہوجانے سے کوئی خاص فرق پڑنے والا نہیں ہے اس لئے اس نے ان کے نکلنے کی کوئی پروا بھی نہیں کی۔ ملائم سنگھ سے ہاتھ ملانے سے ان کا اور ان کے بیٹے کا فائدہ تو ضرور ہوا لیکن سماج وادی پارٹی اور ملائم سنگھ کو فائدے کے بجائے نقصان اٹھانا پڑے گا اور ان کی سیکولر شبیہ بھی متاثر ہوئی۔ اس کے آثار انتخابات سے قبل ہی نظر آنے شروع ہوگئے ہیں۔ ●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن
سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیبت اللہ قاسمی
عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

ضرورت رشتہ

منصوری برادری سے تعلق رکھنے والے معزز گھرانے کی ایک لڑکی عمر ۲۲ سال قد پانچ فٹ چار انچ، رنگ گورا Diploma in Software کئے ہوئے ہے اور ایم اے (انگریزی) کررہی ہے اور جس کے والد لیکچرار (فزکس) ہیں، کے لئے مناسب اور برسر روزگار لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ نمبر
Mob. 09450691994

ضرورت معلمات

الکوثر گرلز کالج بھٹکل کے لئے دو عدد تجربہ کار معلمات کی ضرورت ہے

(۱) عربی اور دینیات کے لئے | (۲) اُردو دینیات کے لئے

تنخواہ معیاری دی جائے گی۔ تفصیلات کے لئے رابطہ کریں

ناظم: الکوثر گرلز کالج
دعوت سنٹر، سلطان اسٹریٹ، بھٹکل، 581320
فون 08385-224316، موبائل 09886653606

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! مشرکین کے حق میں بددعا فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا ''مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے۔ بلکہ مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' (بخاری)

OMEGA SUPER HARDWARE
Complete range of Latest fittings for Doors & Windows, Bath Rooms and Furnitures, Glass Furnitures
AD 5/2, 2nd AVENUE, ANNA NAGAR, CHENNAI- 40.
Phones: 2620 2016,4269 0216

Online Unani Herbal Consultation
044-28481344 E-mail:drameen@vsnl.net
for Sinusitis ★Joints Pain ★infertility
★nervous ★debility ★Obesity
★beauty & Hair Care
in public interest by Dr. Syed M.M. Ameen
B.U.M.S. (OSM)., M.D. (Herbal Med.),
Ph.D. (MED)., M.N.S.A. (IND)
S.K's Herbal Medical Hospital & Research Centre
36, J.J.K. Road, Royapettah, Chennai-600014 INDIA

ایم اے ایف اکیڈمی
اے ۴۳ سیکٹر ۶۲، نوئیڈا
فاؤنڈر: محمد ابوالفضل فاروقی
نرسری تا XI داخلے جاری
★ سی بی ایس ای سے منظور شدہ ★ سی بی ایس ای کورس
★ اعلیٰ تربیت یافتہ اسٹاف ★ بچے کی پروگریس پر ہروقت نظر
★ ہر طالب علم پر خصوصی توجہ ★ سیکشن میں صرف ۲۵ طلباء
★ ابتداء سے کمپیوٹر کی تعلیم ★ ہروقت بجلی کے لئے جنریٹر موجود
★ ضروری سامان سے آراستہ سائنس لیب
★ کمرہ روشن، ہوادار، تپش سے محفوظ ★ ۲۴ ہزار مربع گز کا وسیع رقبہ
★ صد فیصد نتائج ★ سیٹیں محدود ★ داخلہ فارم ویب سائٹ پر دستیاب
★ داخلے کیلئے بچے کا ہونہار ہونا کافی ★ ٹرانسپورٹ کے لئے محفوظ اور آرام دہ بسیں
★ ہر قسم کی آلودگی سے پاک اور جدید ترین سہولتوں سے آراستہ نہایت خوشنما عمارت
صد فیصد رزلٹ کے ساتھ سبھی طالب علم فرسٹ ڈویژن ڈسٹنکشن (Distinction) کے ساتھ پاس ہوئے ہیں۔
اعلیٰ ترین سہولتوں کے باوجود فیس کفایتی
Phone: (0120) 2400522, 6545202
Fax:(0120)2400510
e-mail: info@mafacademy.com
Website: www.mafacademy.com

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

لیبل وکیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں
بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، ختنہ، کھانسی، نزلہ، وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے
INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس
سپر ٹینری لمیٹڈ
● برنشڈ بف کاف ● فیشن اپیرل لیدرز ● آئل پل اَپ ● انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز ● نوبک
● واٹر پروف لیدرز ● گارمنٹ نپا ● شو اینڈ بوٹ اَپرز
SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170, JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

۲۰۰۸ کی نئی کتابیں

تعمیر معاشرہ اور مساجد	مولانا امیرالدین مہر	65/-
وابستگان تحریک اسلامی کی تربیت	سید شکیل احمد انور	8/-
نفس مطمئنہ کی طرف	ایس، امین الحسن	40/-
سرمایہ دارانہ نظام ایک چیلنج	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی	34/-
دعوت وتربیت - اسلام کا نقطۂ نظر	مولانا سید جلال الدین عمری	50/-
ماثورات	حسن البنا شہیدؒ	32/-
تفہیم القرآن - ایک کتاب انقلاب	پروفیسر خورشید احمد	10/-
اسوۂ دعوت	خرم مرادؒ	10/-
مستقبل آپ کا منتظر	خرم مرادؒ	6/-
رخصت وعزیمت	خرم مرادؒ	6/-
دعوت اسلامی اور ہمارا طرز عمل	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی	36/-
تحریک اسلامی کا عام کارکن	خرم مرادؒ	10/-
مالیات میں اسلامی ہدایات کی تطبیق	پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی	20/-
عبادت کے ۲۳ نسخے	بدیع الزماں سعید نورسی	10/-
تحریک اسلامی میں تربیت کا معیار مطلوب	سید شکیل احمد انور	12/-
اعتکاف	ڈاکٹر تابش مہدی	8/-
صنفی تفریق اور اسلام	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی	16/-
خطبۂ عیدالفطر	مولانا سید جلال الدین عمری	6/-
اسلام کا تصور حیات اور اجتماعی زندگی کی ذمے داریاں	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی	14/-
نقوش تربیت	مصطفیٰ محمد طحان ترجمہ: تنویر آفاقی	70/-
ہندستانی مذاہب میں توحید، رسالت اور آخرت	مفتی محمد مشتاق تجاروی	8/-
کتاب نامہ	شعبۂ ادارت	15/-
مولانا مودودیؒ کی مختصر آپ بیتی	محمد یوسف بھٹا	16/-

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵
Post Box. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110 025
Phones:26971652,26954341, Fax:26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com Website: www. mmipublishers.net